تجلیاتِ ختمِ نبوّت

صلاح الدین سعیدی

کتاب ______ تجلیات ختم نبوت

مصنف ______ صلاح الدین سعیدی

تمہید ______ میاں سلیم حماد ہجویری سجادہ نشین

خطاطی سرورق ______ گلزار نیازی

صفحات ______ 160

تعداد ______ 1000

سن اشاعت ______ 2011ء

قیمت ______ 200 روپے

ناشر ______ گلزار نیازی دارالکتابت شیخ ہندی سٹریٹ دربار مارکیٹ لاہور

0333-4330982

ملنے کے پتے

ادبستان، مکتبہ نبویہ، قادری رضوی کتب خانہ، مکتبہ حنفیہ، رضوان کتب خانہ فیض گنج بخش بک شاپ، کرماں والا بک شاپ، کتب خانہ امام احمد رضا مسلم کتابوی، دارالنور، دارالعلم، فضل حق پبلشرز، مکتبہ قادریہ، زاویہ پبلشرز مکتبہ اعلیٰ حضرت گنج بخش روڈ لاہور ۔ مکتبہ فیضان سنت ملتان مکتبہ المفتاح ڈیرہ غازی خان ، مکتبہ قادریہ سلطانیہ جام پور

عرض سعیدی

رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی میں ہی ختم نبوت کے انکاری پیدا ہو گئے تھے جن کے حوالے سے فکری رہنمائی تو خود جناب رسول اللہ ﷺ نے فرما دی تھی اور اس سے چھٹکارا پہلے ہی خلیفہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دلا دیا تھا۔

بعد کی صدیوں میں بھی نبوت کے جھوٹے دعویدار ابھرتے اور اپنے بھیانک انجام کو پہنچتے رہے۔ لیکن جس شدت اور گہرائی کے ساتھ 20 ویں صدی کے کذاب نے سازش کی اس کی مثال ماضی قریب میں نہیں ملتی۔ تمام اہل قلم اس بات پر متفق ہیں کہ اس جھوٹی نبوت کی تشکیل فرنگی کارخانے میں ہوئی۔ اور اس کی ضرورت نوآبادیاتی مقاصد کی تکمیل کے لئے تھی۔ بہرحال اللہ کی حکمت بالغہ نے ہر دور میں چمنستانِ دینِ حق کی آبیاری کرنے والے باغبان اس امت میں پیدا فرمائے۔

بھارتی پنجاب کے ضلع گورداس پور کے ایک غیر معروف قصبے قادیان میں 1940ء میں پیدا ہونے والے مرزا قادیانی نے 1901ء میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو اس کی اس جرأت خبیثانہ پر اتر پردیش میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے بھارتی پنجاب میں حضرت مولانا نواب الدین رمداسی نے موجودہ پاکستانی پنجاب میں تاریخی بیگم شاہی مسجد لاہور کے خطیب حضرت مولانا قادر بھیروی نے اسے کافر قرار دیا۔ اور خانقاہی نظام کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت پیر سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے میدانِ مناظرہ میں اس لعین کو شکست فاش دی۔

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا الملعون کے خلاف دس کتابیں لکھیں۔ جو آج بھی مسلم قوم کی علمی و فکری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کافی ہے۔ آپ کے خلیفہ علی گڑھ یونیورسٹی کے پروفیسر مولانا محمد الیاس برنی کی کتاب "قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ" ۳ جلدوں میں ایک عظیم علمی ذخیرہ ہے۔ جو بعد کے مصنفین اور محققین کے لئے ایک بہترین ماخذ ثابت ہوئی۔

1952ء میں مسلم لیگ صوبہ پنجاب کی مجلس عاملہ کے رکن حضرت امام احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم لیگ کے اجلاس میں قادیانیوں کے خلاف سب سے پہلی قرار داد منظور کرائی۔ اور قادیانیوں کو ملک کے اہم کلیدی عہدوں سے ہٹانے کا مطالبہ کیا۔

ساتھ ہی قادیانیوں کو کافر قرار دینے، اعلیٰ عہدوں سے ہٹانے اور ان کے مرکز "ربوہ" کو کھلا شہر قرار دینے کے تین نکاتی مطالبے کے حق میں علماء اور عوام سڑکوں پر نکل آئے تحریک ختم نبوت کی قیادت امام احمد رضا کے خلیفہ مفسر قرآن، غازی کشمیر حضرت مولانا سیّد محمد ابو الحسنات قادری

رحمۃ اللہ علیہ (خطیب تاریخی جامع مسجد وزیر خان لاہور) کر رہے تھے۔ یہ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۲ء سے شروع ہو کر ۱۹۵۳ء تک چلی۔ اور اس نے لوگوں کے قلوب و اذہان پر گہرا اثر چھوڑا اس تحریک میں مولانا سید ابوالحسنات کے فرزند ارجمند حضرت مولانا سید خلیل احمد قادری اور مجاہد ملت مولانا عبدالستار نیازی کو پھانسی کی سزا ہوئی پھر اللہ تبارک و تعالیٰ کی خاص مدد سے اُن کی سزائیں حکومت کو خود ہی معاف کرنا پڑیں۔ ورنہ وہ سزائے موت کو خوشی سے قبول کرنے کے لئے تیار تھے۔ بلکہ اپنے لئے سعادت سمجھ رہے تھے۔ اولاً اس تحریک میں حکومت نے بے انتہا تشدد کیا لیکن جب علماء کرام کا جذبہ دیکھا تو خود ہی نرمی کر دی اور علماء نے بھی ایجی ٹیشن چھوڑ کر علمی و فکری محاذ سنبھال لیا۔

20 سال بعد پھر قادیانیوں نے سر اٹھایا تو مسلمان قائدین کو اُن کی سرکوبی کرنی پڑی 30 جون 1974ء کو قائد اہلسنت امام شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ نے قومی اسمبلی میں وہی مطالبہ دہرایا۔ جو 1952ء میں امام احمد سعید کاظمی کر چکے تھے۔ اور جسے ایجنڈا بنا کر تمام مکاتب فکر نے تحریک 1953ء چلائی تھی۔ اس بار یہ تحریک سڑکوں پر بھی چلی اور ساتھ ہی ساتھ اسمبلی کے فلور پر بھی مولانا نورانی کی بے مثال قیادت میں 7 ستمبر 1974ء کو قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو کافر قرار دیا تو مسلمانوں کو ”قرار“ آیا۔

قادیانیت کے جواب میں جن حضرات نے مختلف نوعیت کی خدمات انجام دیں وہ نہ صرف مسلم امہ کے اجتماعی شکریہ کے مستحق ہیں۔ بلکہ ان کی خدمات سے نئی نسل کو روشناس کرانا ہمارا دینی و ملی فریضہ ہے۔ اسی باعث وقتاً فوقتاً میرا قلم اُن مجاہدین ختم نبوت کی بارگاہ میں سجدہ ریزی کرتا رہتا ہے اور ”تجلیات ختم نبوت“ میری ایسی ہی مختلف تحریروں کا مجموعہ ہے۔

حضرت میاں سلیم حماد شکریہ کے رسمی تقاضوں سے بھی بہت بلند مقام و مرتبہ کے حامل ہیں جنہوں نے شاندار اور جاندار مقدمہ لکھ کر کتاب کی اہمیت کو دوچند کر دیا۔

یہ مضامین چونکہ مختلف اخبارات و جرائد کے لیے مختلف وقتوں میں لکھے گئے ہیں لہٰذا اسی تناظر میں پڑھے جانے کے متقاضی ہیں۔ آخر میں شعری ذوق رکھنے والے دوستوں کے لیے منظوم حصہ سے ضیافت کی گئی ہے امید ہے اسے بھی پذیرائی ملے گی۔ آپ سے خصوصی التجا ہے کہ کتاب پڑھ کر میرے والدین کی بخشش اور میرے خاتمہ بالخیر کی دعا ضرور کیجئے گا

الٰہی اپنی رحمت سے شہیدوں کے وسیلے سے
سعیدؔی کو بنا دے نغمہ خواں ختم نبوت کا

راھنمائی

عنوان	صفحہ نمبر

تمہید

از

میاں محمد سلیم حمادؔ ہجویری

''تجلیاتِ ختمِ نبوت'' جناب صلاح الدین سعیدی صاحب کے اُن مضامین کا مجموعہ ہے جو مختلف اخبارات ورسائل میں گاہے بگاہے چھپ چکے ہیں۔ معزز قارئین ہر دور کے قلم وکلام میں عقیدہ ختمِ نبوت تازہ رہنا چاہئے۔ اس لئے کہ اغیار اپنے لامحدود وسائل کیساتھ ہمارے اس عقیدے کے خلاف ہر دم برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ سعیدی صاحب کی یہ کاوش قابلِ ستائش ہے کہ وہ ناساعد حالات کے باوجود اس کتاب کو ظہور میں لائے اور ولولہ تازہ کر دیا۔

عقیدہ ختمِ نبوت کو گہرائی وگیرائی سے سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم مخالفین یہود و نصاریٰ کے ارادوں، سازشوں اور اُن کے بغض وعناد کی تاریخ سے باخبر رہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے بارے میں قرآن اور احادیثِ نبوی ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ ابنِ مریم کو زندہ آسمان پر اُٹھالیا گیا تھا۔ قرآنِ پاک چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کو زمانے کی دست بُرد اور کمی بیشی سے محفوظ رکھنے کیلئے اس کی ذمہ داری خود قادرِ مطلق نے اُٹھائی ہے اس لئے اس کا حرف حرف شک وشبہ سے بالاتر ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ مسلم اُمہ یہ بات حق الیقین کیساتھ مانتی ہے کہ حضرت عیسیٰ ابنِ مریم کو زندہ آسمان پر اُٹھالیا گیا تھا اور آپ کی بجائے آپ کے ایک حواری کو قتل کیا گیا تھا جو منشا الٰہی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روپ میں موجود تھا۔ لیکن یہودی و

عیسائی اس بات کو نہیں مانتے اور اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ مبینہ قتلِ عیسیٰ علیہ السلام ان دونوں کی ملی بھگت سے ہوا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہود ونصاریٰ کے نزدیک واقعتاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمتوں پر یہود ونصاریٰ کی بدبخت اکثریت کو نہ پہلے یقین تھا نہ اب ہے۔ اس لئے اُنہیں قرآنِ حکیم کی شہادت قبول نہیں۔

بالادستی کے بخار میں مبتلا قوم

یہودی ہمیشہ سے اپنی بالادستی کے بخار میں مبتلا، مذہبی تعصب کے خمیر میں گوندھی ہوئی عقل ودانش کے اسیر ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ اور انبیاء ورسل کی نافرمانی میں ہی ان کی عقل ودانش اور طبیعت وذہنیت راحت پاتی ہے۔ جو اُمتیں اپنے انبیاء ورسل کا احترام وتعظیم اور اُن کی تعلیمات کی پرواہ نہیں کرتیں وہ خاتم الانبیاء ورسل محمد مصطفیٰ ﷺ اور ان پر نازل کردہ قرآن حکیم کے احکامات وتعلیمات کو کیونکر حق سچ مان سکتی ہیں۔ اسلام اور مسلم اُمہ کے خلاف تعصب کی وجہ سے یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا بوجھ اُٹھائے پھرتے ہیں اور عیسائی صلیب کا بوجھ اُٹھائے پھرتے ہیں۔ مقامِ حیرت ہے کہ قرآن کی سچائی اور شہادت کو مان کر عیسیٰ نبی اللہ کے قتل کا بوجھ اتارنے کو تیار نہیں، صرف اس لئے کہ اسلام کی حقانیت اور مسلمانوں کی سربلندی قبول نہیں۔

برطانوی سامراج کی کٹھ پتلی مرزا قادیانی

ظہورِ اسلام کے بعد یہودی اور عیسائی صاحبانِ اقتدار واختیار ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں مذہبی، سیاسی، سماجی اور معاشی شعبہ جات میں اپنی کٹھ پتلیوں سے تماشا کرتے رہتے تھے اور اب بھی کر رہے ہیں۔ ماضی قریب میں قیامِ پاکستان سے قبل جبکہ برطانوی سامراج کا ہندوستان پر قبضہ تھا انگریزوں نے مسلمانوں میں مذہبی انتشار پیدا کرنے کیلئے اپنے ایک پروردہ شخص غلام ابن غلام مرزا غلام احمد قادیانی کو برٹش گورنمنٹ کے سایۂ عاطفت میں پہلے مصلح کی حیثیت سے متعارف کروایا پھر وہ مجدد بنا پھر مثلِ مسیح اور آخرکار وہ خود کو مسیح موعود ظاہر کرنے لگا۔ تاریخ اسلام میں مسلمانوں کے اس متواتر ومتفق علیہ عقیدہ ختمِ نبوت کے خلاف پہلی مرتبہ مرزا قادیانی نے یہ گمراہ کن اور

سراسر باطل عقیدہ ایجاد کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے سولی پر لٹکا دیا مگر ان کی جان نہ نکلی اور وہ وہاں سے جان بچا کر بھاگ نکلے اور کشمیر میں آ کر آباد ہوئے اور بڑھاپے کی عمر میں فوت ہوئے چنانچہ مرزا نے سری نگر میں کسی ایک جعلی قبر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر قرار دے دیا۔اس کیساتھ مرزا قادیانی نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نبی اکرم (ﷺ) نے دنیا میں آنا بتایا ہے اس سے میں مرزا غلام احمد قادیانی مراد ہوں۔(نعوذ باللہ)

مرزا قادیانی کے باطل عقائد، مکروفریب اور بے شمار جھوٹے دعوؤں سے جو لوگ گمراہ ہوئے وہ خود کو احمدی، مرزائی یا قادیانی کہتے ہیں۔ ان خرافاتِ خبیثہ کی وجہ سے پوری مسلم اُمہ اس گروہ کو کافر قرار دے چکی ہے۔خاص طور پر پاکستان میں ان کو عوامی و سرکاری سطح پر بھی کافر قرار دیا جاچکا ہے۔

مرزا قادیانی کی حقیقت کیا ہے۔

مرزا کی حقیقت کیا ہے خود اس کی تحریریں پیشِ خدمت ہیں تا کہ قارئین خود یہ فیصلہ کریں کہ اس ملعون کا ظاہر و باطن کس قدر غلیظ و ناپاک تھا۔اس میں شریفوں والی کوئی صفت نہ تھی، اس کی ذات عیبوں کا مجسمہ تھی، کوئی ایسا جُرم نہیں جو مرزا نے نہ کیا ہو، کوئی ایسی گندگی نہیں جو اس میں نہ پائی جاتی ہو اور کوئی ایسی بُرائی نہیں جس سے یہ خالی ہو۔یہ نبی یا مومن تو کیا انسان کہلانے کا بھی مستحق نہیں۔مرزا نے اپنی حقیقت خود اشعار کی صورت میں بیان کی ہے۔

کرمِ خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
بشر کی جائے نفرت ہوں اور انسان کی عار ہوں
(دُرِ ثمین مرزا قادیانی کا شعری مجموعہ)

مرزا کی دریدہ دہنی اور گستاخیاں۔

''وہ خدا جو ہمارا خدا ہے ایک کھا جانے والی آگ ہے'' (نعوذ باللہ)
(سراجِ منیر ص ۳۰، ۵۵ مرزا قادیانی)
''قرآن خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔'' (نعوذ باللہ)

(تذکرہ از مرزا قادیانی ص ۱۰۲)
''میں قرآن کی غلطیاں نکالنے آیا ہوں جو تفسیروں کی وجہ سے واقع ہو گئی ہیں۔''
(نعوذ باللہ) (ازالۃ الاوھام از مرزا قادیانی ص ۲۸۸)
''نبی (ﷺ) سے کئی غلطیاں ہوئیں کئی الہام سمجھ نہ آئے۔'' (نعوذ باللہ)
(ازالۃ الاوھام مطبع لاہوری از مرزا قادیانی)
''نبی (ﷺ) سے دین کی مکمل اشاعت نہ ہو سکی میں نے پوری کی۔'' (نعوذ باللہ)
(حاشیہ تحفہ گولڑویہ از مرزا قادیانی ص ۱۶۵)
''جو حدیث میرے خلاف ہے وہ ردی کی ٹوکری میں ڈال دو۔'' (نعوذ باللہ)
(اعجازِ احمدی از مرزا قادیانی ص ۳۰)
''زندہ ہوا ہر نبی میری آمد سے، تمام رسول میرے کُرتہ میں چھپے ہوئے ہیں۔''
(نعوذ باللہ) (نزول المسیح از مرزا قادیانی ص ۱۰۰)

جہاد حرام ہے۔

مرزا کے زمانے میں انگریز مسلمانوں کے کئی ممالک پر مکروفریب اور جبر سے قابض ہو چکے تھے، ہندوستان بھی اُن کے قبضے میں تھا۔وطن کی آزادی اور دین کی دعوت و تبلیغ کیلئے حالات جہاد کا تقاضا کر رہے تھے لیکن بے ضمیر مرزا قادیانی نے اپنے آقاؤں یہود و نصاریٰ کی منشا اور خوشنودی کیلئے جہاد کو حرام قرار دیا اور کہا!

چھوڑ دو اے دوستو اب جہاد کا خیال
دین کے لئے منع ہے اب جنگ اور جدال

الہامی شادی مرزا کی نامرادی

مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری مرزا قادیانی کے بہنوئی کا حقیقی بھائی تھا اور اس کی چچا زاد بہن کا خاوند تھا۔اس کی بیٹی محمدی بیگم بہت خوبصورت تھی۔مرزا بُڑھاپے کے باوجود اس پر لٹو ہو گیا اور اس کے حصول کیلئے اسے شادی کا پیغام بھیجا بار بار کے انکار پر جب مایوس ہو گیا تو محمدی بیگم اور اس کے والدین کو خوف زدہ کرنے کیلئے الہامات گھڑ لئے اور کہا کہ اگر میرے بجائے کسی اور سے محمدی بیگم کا نکاح کیا تو خاوند

ڈھائی سال میں اور محمدی بیگم کا باپ تین سال میں مرجائے گا اور محمدی بیگم کو میرے نکاح میں ہی آنا پڑے گا کیونکہ خدا کا یہی فیصلہ ہے۔

محمدی بیگم کے والدین چونکہ مرزا کے قریبی رشتہ دار تھے، وہ مرزا کی حقیقت کو بخوبی جانتے تھے۔ اس لئے انہوں نے مرزا کی کسی بات کی پروانہ کی اور نہ ہی خوف زدہ ہوئے۔ بیٹی کی شادی ایک نوجوان سے دھوم دھام سے کردی اور مرزا بقایا تمام زندگی نامرادی کے عالم میں کفِ افسوس ملتا رہا۔

انگریزوں کا وفادار، ملک وملت کا غدار۔

مرزا قادیانی نے اپنی کتابوں میں جگہ جگہ انگریزوں سے محبت وعقیدت کا اظہار کیا ہے ان میں سے چند اقتباسات پیشِ خدمت ہیں۔

''میری عمر کا اکثر حصہ انگریزی سلطنت کی تائید وحمایت میں گزرا ہے۔ میں نے جہاد کے خلاف اور انگریز کی اطاعت کے بارے میں اس قدر لکھا ہے کہ میری کتابیں اور رسائل اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں بھر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی تمام کتابوں کو عرب ممالک، مصر، شام، کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان سلطنتِ برطانیہ کے سچے خیر خواہ بن جائیں''۔

(تریاق القلوب از مرزا قادیانی ص ۲۵)

''خدا تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے میری اور میری جماعت کی پناہ اس سلطنت کو بنا دیا ہے۔ یہ امن جو اس سلطنت کے زیرِ سایہ ہمیں حاصل ہے، یہ امن نہ تو مکہ میں مل سکتا ہے نہ مدینہ میں۔'' (تریاق القلوب از مرزا قادیانی ص ۲۶)

''صرف یہی التماس ہے کہ سرکار دولت مدار .....اس خود کاشتہ پودا (مرزا اور اس کی جماعت) کی نسبت نہایت احترام واحتیاط اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو ایک خاص عنایت کی نظر سے دیکھیں ہمارے خاندان نے سرکارِ انگریزی کیلئے اپنا خون بہانے اور جان دینے سے کبھی فرق نہیں کیا اور نہ اب فرق ہے۔'' (مورخہ ۲۴ فروری ۱۸۹۹ء میں درخواست بحضور لفٹیننٹ گورنر بہادر دام اقبالہ پنجاب،

مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۷ ص ۱۸ از مرزا قادیانی)۔

مرزا اور اس کی جماعت امریکی ایجنٹ

''پاکستان کے سابق وزیرِ اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے اقتدار کے آخری ایام میں آغا شورش کشمیری کو بتایا کہ برسرِ اقتدار آنے کے بعد جب میں پہلی مرتبہ سربراہِ مملکت کی حیثیت سے امریکہ کے دورے پر گیا تو امریکی صدر نے مجھے ہدایت کی کہ پاکستان میں قادیانی جماعت ہمارا گروہ ہے آپ ہر لحاظ سے ان کا خیال رکھیں''۔

''دوسری مرتبہ جب میں پھر امریکہ کے سرکاری دورے پر گیا تو دوبارہ پھر یہی ہدایت ملی۔ بھٹو نے کہا کہ یہ بات میرے پاس قومی امانت تھی۔ ریکارڈ کیلئے پہلی مرتبہ انکشاف کر رہا ہوں''۔

درج بالا اقتباسات کتاب ''تفہیم ختمِ نبوت اور محاصرہ قادیانیت'' مرتب محمد نعیم طاہر رضوی سے لئے گئے ہیں۔ یہ کتاب نہ صرف مرزا قادیانی کی حقیقی صورت پیش کرتی ہے بلکہ قادیانیت کے زہر کا تریاق بھی ہے۔

ہر شخص جو اہلِ مذہب ہے وہ اپنے مذہب سے اسقدر جذباتی لگاؤ رکھتا ہے کہ خود کو اپنے مذہب سے منسوب کرتے ہوئے ذرا جھجک محسوس نہیں کرتا بلکہ فخر کرتا ہے ۔لیکن کچھ سازشی گروہ ایسے ہیں جو اپنی ہی ملت میں انتشار، افتراق اور فتنہ پیدا کرنے کیلئے بنائے جاتے ہیں اور گروہ کے بانی کے نام سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ ایسے آستین کے سانپوں میں سے ایک سانپ مرزا قادیانی اور اس کے ماننے والے ہیں۔ قادیانیوں کے نظریات وعقائد اگرچہ مسلمانوں سے مختلف ہیں لیکن ہر قادیانی خود کو مسلم اس لئے کہتا ہے کہ اسلام دشمن طاقتوں نے اسے مسلمان کا لبادہ پہنا کر مسلم اُمہ کی صفوں میں داخل کیا ہوا ہے تا کہ اُن کے مذموم مقاصد کی تکمیل ہو سکے۔ ان کی عبادت گاہیں بھی مساجد کی طرح بنائی جاتی ہیں۔

مرزائیوں کی سرگرمیاں اپنے آقا و مولا (برٹش گورنمنٹ) کے سایۂ عاطفت میں اب بھی لندن میں جاری ہیں۔ مرزا قادیانی جیسا بے ضمیر، چاپلوس، خوشامدی،

مطلب پرست موقع پرست، خوشامد پرست اور خود پرست بے حیا انسان کہیں
ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے یہود و نصاریٰ کی خوشنودی اور اپنے
ذاتی مفادات کیلئے اپنا دین و مذہب بیچ ڈالا اور اسلامی عقائد و نظریات و ہدایات میں
شکوک و شبہات پیدا کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔

مرزا نے ملکہ برطانیہ کی ساٹھویں سالگرہ کے موقع پر ملکہ کی بے جا خو
شامدانہ تعریف و توصیف اور شاہ پرستی کی شاہکار کتاب ''تحفہ قیصریہ'' لکھی اور ملکہ کو پیش
کی جس کے آغاز میں مرزا نے ملکہ کو ایسے خوشامدانہ و شاہ پرستانہ الفاظ سے مبارک باد
پیش کی کہ کوئی گرے پڑے تیسرے درجے کے مسلمان سے بھی ایسی توقع نہیں کی جا سکتی
۔مرزا کی قومی و ملی بے حسی، اخلاقی پستی، بے غیرتی اور گھٹیا پن سے بھرپور تحریر ملاحظہ
فرمائیں۔

مرزا قادیانی کی کتاب ''تحفہ قیصریہ'' سے اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

''یہ طریقہ مبارکبادی اس شخص (مرزا قادیانی) کی طرف سے ہے جو یسوع
مسیح کے نام پر دنیا کو طرح طرح کی بدعتوں سے بچانے کیلئے آیا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے
کہ امن اور نرمی کیساتھ دنیا میں سچائی قائم کرے اور اپنے پیدا کنندہ اور اپنے بادشاہ
(ملکہ معظمہ) سے سچی محبت سکھلائے۔ جس کی وہ رعایا ہیں اور یہ نوشتہ ہدیہ شکر گزاری
ہے کہ جو عالی جناب ملکہ معظمہ والی انگلستان و ہند ام اقبالہا بالقابہا کے حضور میں
بتقریب جلسہ جوبلی شصت سالہ (ملکہ کی ساٹھویں سالگرہ کے موقع پر) بطور مبارکباد
پیش کیا گیا۔ مبارک مبارک مبارک''۔

''خدا کا شکر ہے جس نے آج ہمیں یہ عظیم الشان خوشی کا دن دکھلایا کہ ہم نے
اپنی ملکہ معظمہ قیصرہ ہند اور انگلستان کا شصت سالہ جوبلی (ساٹھویں سالگرہ) کا دن
دیکھایا۔ جس قدر اس دن کے آنے سے مسرت ہوئی اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا''۔

''ہماری محسنہ قیصرہ ملکہ مبارکہ کو ہماری طرف سے خوشی اور شکر سے بھری ہوئی
مبارک باد پہنچے۔ خدا ہماری ملکہ معظمہ کو ہمیشہ خوشی سے رکھے..... ہم دعا کرتے ہیں کہ وہ
ہماری ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کو جو اپنی رعایا کی مختلف اقوام کو آغوش عافیت میں لئے ہوئے

ہے اور اس کے ایک وجود سے کروڑہا انسانوں کو آرام پہنچ رہا ہے تادیر سلامت رکھے
اور جلسہ جوبلی کی تقریب پر جس کی خوشی سے برٹش انڈیا اور انگلستان کے کروڑہا دل
جوش نشاط میں پھولوں کی طرح حرکت کر رہے ہیں۔ پرندے جیسے نسیم صبا کی ٹھنڈی ہوا
سے شگفتہ ہو کر اپنے پروں کو پھڑپھڑا رہے ہیں۔ جس زور شور سے زمین مبارک باد کیلئے
اُچھل رہی ہے ایسا ہی آسمان بھی اپنے آفتاب و مہتاب اور تمام ستاروں کیساتھ مبارک
باد دے رہا ہے''۔

''عنایت صمدی ایسا کرے کہ جس طرح ہماری عالیشان محسنہ ملکہ معظمہ والی انگلستان و ہند
اپنی رعایا کے تمام بوڑھوں، جوانوں اور بچوں کے دلوں میں ہر دلعزیز ہے اسی طرح
آسمانی فرشتوں کے دلوں میں بھی ہر دلعزیز ہو جائے۔ قادر مطلق جس نے ملکہ کو بے شمار
دنیوی برکات عطا کیں۔ وہ رحیم جس نے ملکہ کو اس جہاں میں خوش رکھا، اگلے جہاں میں
بھی اسے خوشی کا سامان عطا کرے''۔

''خدا کے کاموں سے کیا بعید ہے کہ ایسا وجود مبارک جس سے کروڑہا بلکہ بے
شمار نیکی کے کام ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں..... فرشتوں کی ارواح بھی بول اُٹھیں کہ
اے (ملکہ) مواحد و صدیقہ تجھے آسمان سے بھی مبارک باد ہو جیسا کہ زمین سے ہے
...... جس گورنمنٹ کے سایہ عطوفت میں، میں خود (مرزا) امن کیساتھ زندگی بسر کر رہا
ہوں اس کیلئے میں دعاؤں میں مشغول ہوں اور اُس کے احسانات کا شکر گزار ہوں، لہٰذا
اس موقع پر عالیشان ملکہ عالیہ معظمہ کی متواتر کرم فرمائی جو ہماری جان و مال اور آبرو کے
شامل حال ہے کو یاد کر کے ہدیہ شکر گزاری پیش کرتا ہوں اور وہ ہدیہ دعائے سلامتی و
اقبال ملکہ ممدوحہ ہے جو دل سے اور وجود کے رُوئیں رُوئیں سے نکلتی ہے۔........ میں
(مرزا قادیانی) اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ مذہبی مباحث کے بارے میں انگریزی آزادی
سے فائدہ اُٹھاؤں اور اسلامی جوش میں مبتلا لوگوں کے ناجائز خیالات اور جوش بھرے
جذبات (انگریزوں کے خلاف آزادی ہند کے جذبات) کو روک دوں۔ مرزا کے
بقول مسلمان ایک خونی مہدی اور مسیح کے منتظر ہیں۔ مسلمانوں کے یہ عقائد اس قدر
خطرناک ہیں کہ کوئی کاذب مہدی موعود کا دعویٰ کر کے دُنیا کو خون میں غرق کر سکتا ہے۔

مسلمان جہاد والے فقیر کیساتھ ہو جاتے ہیں شاید وہ ایسی تابعداری کسی بادشاہ کی بھی نہیں کرتے۔ پس خدا نے چاہا کہ غلط خیالات دور ہوں اس لئے اللہ نے مجھے مسیح موعود اور مہدی موعود کا خطاب دے کر مجھے ظاہر فرمایا۔ اس لئے اب کسی خونی مسیح و مہدی کا انتظار کرنا سراسر غلط ہے...... جب سے میں نے مسلمانوں کو یہ خبر پہنچائی ہے کہ اب کوئی خونی مہدی و مسیح دنیا میں آنے والا نہیں ہے جو آنے والا تھا وہ میں ہوں، اس پر نادان مولوی مجھ سے بغض رکھتے ہیں اور مجھے کافر اور دین سے خارج ٹھہراتے ہیں۔'' (جھوٹے پر بے شمار لعنت ہو)۔

مرزا قادیانی کے فرشتے

''۵ مارچ ۱۹۰۵ء کو میں نے خواب میں ایک فرشتہ دیکھا جس نے اپنا نام ٹیچی ٹیچی بتایا۔'' (حقیقت الوحی از مرزا قادیانی ص ۳۳۲)

''ایک فرشتہ میں نے بیس برس کے نوجوان کی شکل میں دیکھا، صورت اس کی انگریزی تھی اور وہ میز کرسی لگائے بیٹھا تھا میں نے اسے کہا۔ آپ بہت خوبصورت ہیں، اس نے کہا ہاں میں درشنی ہوں''۔ (تذکرہ از مرزا قادیانی ص ۳۱)

''تین فرشتے آسمان سے آئے ان میں سے ایک کا نام خیراتی تھا'' (تریاق القلوب از مرزا قادیانی ص ۱۹۲) مرزا کا دعویٰ تھا کہ اُس پر بہت سی زبانوں میں وحی نازل ہوتی ہے۔

انگریزی میں وحی کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

"I LOVE YOU"

"I AM WITH YOU"

" I SHELL HELP YOU

(حقیقۃ الوحی از مرزا قادیانی ص ۳۰۳)

مرزا قادیانی کی صحت و تندرستی کا حال

رات کو غرارہ اور لہنگا پہن کر سونے والا، ہر دس منٹ بعد پیشاب

کرنے والا، دائمی سر درد میں مبتلا مدقوق شخص طہارت اور صحت سے عاری فرد کیا نبی ہو سکتا ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ مرزا خود اپنی کتاب اربعین نمبر ص ۴ طبع اول میں لکھتا ہے۔

''بسا اوقات سو سو بار رات کو یا دن کو پیشاب آتا ہے اور اسقدر پیشاب آنے سے جس قدر ضعف ہوتے ہیں وہ سب میرے شاملِ حال رہتے ہیں۔''

مرزا قادیانی نے اپنی دو بیماریوں کو دو چادریں قرار دیا

مرزا قادیانی نے اپنے دعویٰ مسیح موعود کا بھرم رکھنے کیلئے جھوٹی تاویلات اور بے ہودہ تشریحات کے سہارے احادیث میں مذکورہ عیسیٰ ابن مریم کی صفات کو خود پر چسپاں کرنے کی ناکام کوشش کی چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو زعفرانی چادریں پہنے ہوئے اتریں گے۔ مرزار قادیانی نے اپنی دو بیماریوں کو دو زرد چادریں قرار دیا اور کہا کہ ایک بیماری میرے جسم کے نچلے حصہ میں ہے کہ مجھے پیشاب بہت آتا ہے دوسری بیماری میرے اوپر والے حصے میں ہے کہ ہر وقت سر چکراتا رہتا ہے، ان دو بیماریوں کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے اشارہ کی زبان میں فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو زرد چادریں پہنے ہوئے آئیگا مرزا کی کتاب ''ازالہ اوھام'' ایسی بے سروپا، فضول باتوں سے بھری ہوئی ہے۔

مرزا قادیانی کی شاعری

''چپکے چپکے حرام کروانا
آریوں کا اصول بھاری ہے
بیٹا بیٹا پکارتی ہے غلط
یار کی اس کو آہ و زاری ہے
دس سے کروا چکی ہے زنا لیکن
پاک دامن ابھی بے چاری ہے
زنِ بیگانہ پر یہ شیدا ہے

"جس کو دیکھو وہی شکاری ہے"

(آریادھرم از مرزا قادیانی ص ۷۶،۷۷)

قارئین آپ نے مرزا کی زبان وکلام کی پاکیزگی، لطافت اور شرافت سے عاری نمونہ دیکھ لیا ، اس کے کلام کی طرح اس کی شخصیت میں بھی نہ توازن تھا نہ اعتدال ۔اس کے باوجود مرزا کا دعویٰ ہے کہ ہر اُس شخص جس تک میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں۔

''جو شخص میری پیروی نہ کرے، میری بیعت میں داخل نہ ہو، وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہے''۔(اشتہار معیار الاخیار ص ۸ مصنفہ مرزا قادیانی)

درج بالا اقتباسات سلسلہ وار مضمون ''قادیانیت'' از محمد نواز میرانی سنڈے میگزین روزنامہ نوائے وقت لاہور جنوری تا مارچ ۲۰۱۰ء سے اخذ کئے ہیں۔

ان درج بالا اقتباسات کے مطالعہ سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ مرزا خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل کیلئے اندھا ہو چکا تھا اور صفات کا نہیں مکروہات کا پیکر بن چکا تھا۔ مسلمانوں کے دینی اور مذہبی مسلمہ عقائد ونظریات کی مخالفت اور جس قسم کے اس نے دعوئے کئے اس پر ہر عام شخص اُسے پاگل قرار دیتا ہے۔ اس پاگل پن کی تائید و حمایت کرنے والے بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔

میرے نزدیک مرزا قادیانی کو پاگل قرار دینا قطعاً غلط ہے یہ نہ صرف مناسب نہیں بلکہ اس لعین کیلئے بریت کا جواز پیدا ہو جاتا ہے چونکہ پاگل اور مجنون شخص کی دماغی حالت ٹھیک نہیں ہوتی اسلئے یہ سزا میں رعایت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ مرزا قادیانی نے پوری زندگی بقائمی ہوش وحواس گزاری اور اس کے قول وفعل میں ان مذموم ارادوں کا دخل صاف نظر آتا ہے جس کی تکمیل کیلئے وہ آخری دم تک ڈٹا رہا۔ جس فعل کا ارتکاب ارادے کے بغیر یا سہواً ہو اس کی سزا و جزا وہ نہیں ہوتی جو عزم و ارادے، سوچ سمجھ اور منصوبہ بندی کیساتھ کئے گئے ہوں۔ ہر قول وفعل کی جزاء وسزا کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے۔

مرزا قادیانی کی خودنوشت درجنوں کتابیں اور اشتہارات جن کی اُس نے خود

نشرواشاعت کی، ان میں درج کافرانہ عقائد ونظریات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ وہ اپنے قول وفعل پر پوری طرح مطمئن تھا اور اپنی خرافات پر فخر کرتا تھا۔ نہ صرف اپنی جماعت بلکہ تمام مسلمانوں کو اپنے کفریہ خیالات وافکار کی پیروی کرنے پر آمادہ کرتا رہا۔ مرزائیوں کو اپنی شکل درج ذیل آیت کے آئینہ میں دیکھ کر نصیحت حاصل کرنا چاہئے۔

''کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی ہوائے نفسانی کو اپنا معبود بنا لیا اور اللہ نے اسے جانتے بوجھتے کے باوجود گمراہ کر دیا اور اس کی سماعت اور قلب پر مہر لگا دی اور اس کی بینائی پر پردہ ڈال دیا۔ تو اب کون ہے جو اس کو ہدایت دے اللہ کے سوا؟ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟'' (الجاثیہ:۲۳)

مرزا اور مرزائی کہتے ہیں بل رفعہ اللہ الیہ کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بلند درجات عطا فرمائے یا آپ کی روح کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ یعنی جسم کا اٹھایا جانا مراد نہیں ہے۔ مگر قادیانیوں کا یہ معنی سراسر تحریف قرآن ہے۔ ما قتلوہ وما صلبوہ او رما قتلوہ یقیناً حضرت عیسیٰ کے جسم کو قتل کرنے یا سولی دینے کی بات ہے یا روح قتل کرنے اور اس کو سولی دینا مراد ہے؟ اگر جسم کا قتل کرنا اور سولی دینا مراد ہے تو آگے بل رفعہ اللہ میں بھی جسم ہی کا اٹھایا جان مراد ہے۔ آیت کا صاف معنی یہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مبارک جسم کو سولی پہ لٹکانا چاہا مگر اللہ نے آپ کے جسم کو ان کی دست برد سے بچا کر اپنی طرف اٹھا لیا۔

یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جان کے دشمن کیوں؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے اور یہودیوں کو برائیوں سے روکا تو وہ آپ کے مخالف ہو گئے اور دمشق کے حاکم سے شکایت کی کہ عیسیٰ ابنِ مریم گمراہی پھیلا رہا ہے اس پر حاکم دمشق نے فلسطین کے حاکم جو اسکا نائب تھا کو تہدیدی خط لکھا کہ اس شخص کو پکڑ کر سولی دی جائے اور لوگوں کو اسکی اذیت سے بچایا

جائے۔ یہ خط پا کر والی بیت المقدس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑنے کیلئے آدمی بھیجے جنہوں نے آکر آپ کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیساتھ آپ کے حواری بھی تھے جن کی تعداد کے متعلق مختلف روایات ہیں۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ انکا محاصرہ ہو گیا ہے تو آپ نے حواریوں سے فرمایا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس پر میری شکل ڈال دی جائے اور وہ جنت میں داخل ہو جائے۔ آپ نے تین بار یہ مطالبہ دھرایا، ہر بار ایک نوجوان اٹھ کر ہاں کہتا رہا تب اللہ نے اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل وشباہت یو ل ڈال دی کہ وہ بعینہٖ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نظر آنے لگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اونگھ کی کیفیت طاری ہوگئی اور اسی حالت میں آپ کو آسمان کی طرف اٹھالیا گیا۔

یہودیوں کی مختصر تاریخ

اس موقع پر بندہ یہ ضروری سمجھتا ہے کہ قومِ اسرائیل خصوصاً یہودہ کو ماننے والے یہودیوں کی تاریخ مختصراً بیان کر دی جائے تا کہ محترم قارئینِ کرام زیرِ نظر کتاب ''تجلیاتِ ختمِ نبوت'' سے بھر پور استفادہ کرسکیں۔

اولادِ آدم کے اعمال کی جزاء وسزا، اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کیلئے انعاموں اور مغضوبوں کیلئے عذابوں کی نشانیاں ارضِ خاکی کے وجود پر اور مختلف اقوام کی تواریخ میں آج بھی موجود ہیں۔ قُرآنِ پاک میں بھی ان کی داستانیں رقم ہیں۔ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے دوستوں اور اطاعت گزار بندوں کو ہمیشہ فتوحات کی ارزانی، نعمتوں کی فراوانی اور حیاتِ جاودانی حاصل رہی ہے۔ اسکے برعکس رب العٰلمین کے نافرمانوں اور اسکے رُسل وانبیاء اور اولیاء کرام کے باغیوں اور گستاخوں پر اُمیدوں کی طولانی، خواہشات کی جولانی، نفس کی من مانی اور فطرتِ حیوانی کی صورت میں عتابِ یزدانی نازل ہوتا آیا ہے اور یہ سلسلہ ہمیشہ سے ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

خواہشاتِ نفسانی کی اندھی تڑپ میں مبتلا لوگ

جو لوگ احکامِ الٰہی اور انبیاء و رُسل کی اطاعت کو پسِ پُشت ڈال کر نفسانی خواہشات کی تکمیل کیلئے دولت، شہرت، بالا دستی، اقتدار و اختیار کی ہوس اور شوقِ حاکمیت کو پورا کرنے کیلئے لوگوں کی آزادی سلب کرنے کی اندھی تڑپ میں ہمہ وقت مبتلا رہتے ہیں۔ ایسے افراد یا گروہ دُرست بات کو سُننے اور سمجھنے سے عاری ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی سماعت، بصارت اور قلب پر مہر لگا دیتا ہے۔ آنکھوں کے ہوتے ہوئے بینائی، کانوں کے ہوتے ہوئے سماعت اور ذہن کے ہوتے ہوئے مثبت سوچ وفکر معطل ہو جاتی ہے گویا وہ چوپایوں سے بھی گئے گُزرے ہو جاتے ہیں۔ خواہشاتِ نفسانی اُنہیں بے قرار بھگائے پھرتی ہیں اور وہ انسانیت کی حدوں سے باہر، حیوانیت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یہ بھیانک صورتِ حال اُس وقت پیش آتی ہے جب کوئی فرد یا قوم اللہ تعالیٰ کے احکام کی مسلسل نافرمانی اور نفسِ امارہ کی حکمرانی میں مبتلا ہوکر اپنے گناہوں پر پشیمانی کی بجائے ناز کرنے لگے تو انہیں ہدایت اور توفیقِ توبہ سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ ''کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی ہوائے (نفسانی) کو اپنا معبود بنالیا تو کیا تُو اس کا ہوسکتا ہے؟ کیا تُو گمان کرتا ہے کہ ان میں سے اکثر سُنتے یا سمجھتے ہیں وہ تو بس چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گُم کردہ راہ ہیں۔'' (الفرقان: ۴۳،۴۴)

''اور نہ کہا مان اس شخص کا جس کے قلب کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا اور وہ اپنی ہوائے (نفسانی) کے پیچھے لگ گیا اور اسکا کام حد سے بڑھا ہوا ہے۔'' (الکہف: ۲۸)۔ ''کیا تُو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی ہوائے نفسانی کو اپنا معبود بنالیا اور اللہ نے اسے جاننے بوجھنے کے باوجود گمراہ کر دیا اور اسکی سماعت اور قلب پر مہر لگادی

اور اسکی بینائی پر پردہ ڈال دیا۔ تو اب کون ہے جو اسکو ہدایت دے اللہ کے سوا؟ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ (الجاثیہ:۲۳)

ظالم کی دھار، مظلوم کی پکار اور داد فریاد بیکار

آج اگر ہم اس ارضِ خاکی پر نظر ڈالیں تو کم و بیش ہر جگہ اور ہر قوم میں انفرادی و اجتماعی سطح پر مذہبی، سیاسی، معاشی، سماجی تہذیب و تمدن میں انتشار و افتراق، افراط و تفریط، اُکھاڑ پچھاڑ، اُلٹ پلٹ، غلط سلط اور نفسا نفسی کا عالم نظر آتا ہے۔ عالمی امن کی فاختہ خود ساختہ جُھوٹے محافظوں، اُن کے نمک خواروں اور بے دام غُلاموں کے ہاتھوں شدید زخمی حالت میں خون کے آنسو رو رہی ہے اور عدل و انصاف کے ایوانوں کو مسلسل کھٹ کھٹا رہی ہے لیکن عدل و انصاف اپنے اعلیٰ و ارفع مقام سے پستی میں گرا، ظالموں سے جُڑا، تاجِ استبداد میں جُڑا اور ظالموں کیساتھ کھڑا مجبور و بے بس دکھائی دیتا ہے، اسلئے ہر سو ظالم کی دھار ہے، مظلوم کی پکار ہے اور داد فریاد بے کار ہے۔

انسان کی آمد پر اُس کے قدم چومنے، اُسے اپنے سینے پر آباد و شاد رکھنے اور بعد از موت اپنی گود میں ابدی نیند سُلانے والی ارضِ محترم پر جب بھی کہیں انسانوں کی سرکشی حد سے بڑھی اور ظلم و نافرمانی کے اندھیرے گھٹا ٹوپ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رحم کرم سے سزا سے پہلے ہدایت کا بندوبست کیا اور اپنا ایک منتخب نمائندہ نبی، پیغمبر یا رسول بنا کر بھیجا۔ جن اقوام نے راہِ ہدایت اختیار نہ کی اُنہیں غرق کرنے کیلئے مختلف اوقات میں مختلف احکام ربانی صادر ہوئے اور اس ارضِ مہربان اور آسمان نے قہرمان بن کر نافرمانوں کو اس طرح نیست و نابود کیا کہ اُن کے نام و نشان تک مٹا دیئے۔

قُرآن پاک ہمیں بتاتا ہے کہ مختلف ادوار میں مختلف اقوام پر کیوں اور کس کس طرح عذابِ الٰہی نازل ہوئے۔ عقلِ سلیم ہر لمحہ ہمیں یہ دعوت دے رہی ہے کہ موجودہ

ابتر حالات پر غور و فکر کریں اور اُس خونخوار شکاری کو حقیقی طور پر پہچانیں جسے صدیوں سے انسانی خون کی چاٹ لگ چکی ہے اور جس کے سبب یہ ارضِ خاکی امن و سلامتی سے محروم، مظلوموں کے خون میں تر بتر آہ و فغاں کر رہی ہے۔

بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل اور محبوب قوم تھی

اقوامِ عالم خصوصاً مسلم اُمہ کا ہر ذی شعور یہ جانتا ہے کہ ماضی بعید میں حضور رسالت مآب محمد مصطفےٰ ﷺ کی بعثت سے قبل بنی اسرائیل ایک ایسی قوم تھی جسکی فضیلت اور انعام یافتہ ہونے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قُرآن مجید میں فرمایا ہے۔ "اے بنی اسرائیل میرا وہ انعام یاد کرو جو میں نے تم پر کیا اور تمہیں دُنیا جہاں والوں پر فضیلت بخشی" (البقرہ:۶:۱)

توریت، انجیل اور قُرآنِ کریم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ظہورِ اسلام سے قبل بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل اور محبوب قوم تھی۔ قُرآنِ حکیم میں دیگر اقوام کی نسبت بنی اسرائیل کا ذکر اہلِ کتاب، آلِ عمران، آلِ یعقوب، آلِ موسیٰ، آلِ ہارون اور یہود کے نام سے کثرت سے آیا ہے۔ بنی اسرائیل جب اپنی فضیلت و محبوبیت کو عطائے ربانی، کرمِ یزدانی کی بجائے اپنا دائمی و موروثی حق سمجھنے لگے تو غرور و تکبر میں مبتلا ہو کر اُنہوں نے احکامِ الٰہیہ کی نافرمانی اور شریعت میں من مانی شروع کر دی، یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں مبعوث ہونے والے بہت سے انبیاء و رسُل کو ناحق قتل کر دیا جن میں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام بھی تھے۔ بنی اسرائیل میں سے آلِ یہودہ جن کو یہود اور یہودی کہا جاتا ہے نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی صلیب پر گاڑ کر اپنی دانست میں قتل کر دیا تھا۔ لیکن قُرآنِ مجید فرقانِ حمید نے اس راز کو افشا کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حُکم سے زندہ اُٹھا لیا گیا تھا۔

بنی اسرائیل ذلیل وخوار کیوں ہوئے؟

بنی اسرائیل کو فضیلت ومحبوبیت سے محروم کر کے اُنہیں ذلیل وخوار کیوں کیا گیا ۔اسکا جواب قُرآنِ پاک میں ہے کہ ''ان (یہودیوں) پر ذلت اور محتاجی مسلط کردی گئی اور وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے یہ اسلئے ہوا کہ وہ اللہ کی نشانیوں سے انکار کرتے رہتے تھے انبیاء کو ناحق قتل کرڈالتے تھے۔ یہ اسلئے ہوا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔'' (البقرہ:۲،۱)

قُرآنِ مجید میں بنی اسرائیل پر عذاب کا ذکر

''جب آپ کے پروردگار نے یہ جتلا دیا کہ وہ ان یہودیوں پر قیامت کے دن تک کسی ایسے کو مسلط رکھے گا جو انہیں شدید سزا میں مبتلا رکھے گا۔ بیشک آپکا پروردگار بہت جلد سزا دینے والا ہے اور وہ بڑا مغفرت والا اور رحم والا ہے۔'' (اعراف:۱۶۷)

قُرآنِ حکیم میں جہاں جہاں یہودیوں کی ذلت ورُسوائی کا ذکر آیا ہے وہاں وہاں اس امر کی بھی تشریح کر دی گئی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی نیک عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے نیک عمل کا اجر دے گا۔ قُرآنِ کریم میں ارشادِ ربانی ہے۔

''البتہ جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابی جو کوئی بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے سو ان کیلئے ان کے پروردگار کے پاس انکا اجر ہے اور ان کیلئے نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''
(البقرہ ۸،۱)

جس طرح ابلیس نے اپنی بزرگی، عبادتِ الٰہی، فضیلت اور بالا دستی کے زعم اور غرور وتکبر میں مبتلا ہو کر حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے حکمِ الٰہی کی نافرمانی کی

تو راندۂ درگاہ ہوا اور تا قیامت بے قرار و بے حال رہے گا۔ اسی طرح یہودی بھی اقوامِ عالم پر ہمیشہ اپنی بالا دستی قائم رکھنے اور فضیلت ومحبوبیت کو اپنا موروثی حق ماننے اور منوانے کے خلجان میں مبتلا بے قرار و بے حال ہیں اور صدیوں سے ملک بہ مُلک، گاؤں بہ گاؤں، شہر بہ شہر، کوچہ بہ کوچہ، در بدر ہو رہے ہیں۔ ذلت ورسوائی عذاب کی صورت ان پر طاری ہے۔

قرآنِ پاک میں جتنی مغضوب قوموں کا ذکر ملتا ہے وہ سب کی سب احکامِ الٰہی کی نافرمان اور شریعت کی حدود توڑنے والی تھیں۔ اُنہیں ایسے عذاب دیئے گئے کہ وہ اُسی وقت نیست و نابود ہو گئیں لیکن یہود کی نافرمانیوں اور انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کرنے کے سنگین جرائم کی سزا ذلت ورسوائی کیساتھ زندہ رکھنے کی ہے۔

یہودی قوم صدیاں گُزرنے کے باوجود آج بھی اپنی فضیلت ومحبوبیت اور خود کو اعلیٰ وارفع سمجھنے کے زعم میں مبتلا ہے اور دیگر اقوامِ عالم کو حقیر قرار دیتی ہے۔ خصوصاً مُسلم اُمہ کو اپنا دُشمنِ اول و آخر خیال کرتے ہوئے اُس سے بدترین سلوک روا رکھا ہوا ہے۔ مسلمانوں کی مکمل تباہی و بربادی کے گھناؤنے عزائم رکھتی ہے اور اُن کی تکمیل میں غیر مسلم قوتوں کو استعمال کرنے میں بڑی چالاکی و مکاری سے ہمہ وقت مصروفِ عمل ہے۔ مسلم اُمہ سے انتہائی بُغض وعناد اور یہود دُشمنی ڈھکی چُھپی نہیں ہے۔

اعزازِ نبوت بنی اسرائیل سے چھن جانا، مسلم دُشمنی کا آغاز!

اب یہ سوال اُٹھتا ہے کہ اسلام اور مسلم دُشمنی کا سبب کیا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ اسباب تو بہت سے ہیں لیکن خصوصی طور پر یہودیوں کے بُغض وعناد کا باعث یہ ہے کہ ظہورِ اسلام سے قبل سرزمینِ عرب پر جو یہودی آباد تھے زراعت، تجارت اور صنعت و حرفت پر انکا قبضہ تھا اور وہ عربوں کو ہر ممکن طریقے سے اپنے زیرِ اثر رکھنے کی کوشش

کرتے تھے۔مقدس کتب توریت اور انجیل میں چونکہ نبی آخرالزماں احمد مجتبیٰ ﷺ کی آمد
کی خبریں اور نشانیاں آچکی تھیں اسلئے یہودیوں کو اپنی نافرمانیوں اور بدکرداریوں کے
باوجود یہ یقین تھا کہ بنی اسرائیل کی فضیلت اور محبوبیت کے پیشِ نظر جس طرح سابق
ادوار میں انبیاء علیہم السلام بنی اسرائیل میں پیدا ہوتے چلے آئے ہیں نبی آخرالزماں ﷺ
بھی ان ہی میں پیدا ہوں گے۔نبوت کی موروثی سعادت وسیادت انہی کے حصہ میں
آئے گی۔اسی بنیاد پر یہودی اپنی برتری وبالادستی جتلانے کیلئے عربوں کو اکثر نبی آخر
الزماں ﷺ کی آمد اور نشانیاں بتاتے رہتے تھے تاکہ عرب قبائل پر اُنکا اثرورسوخ اور
بالادستی قائم رہے۔

حضور خاتم الانبیاء محبوبِ خُدا رسالت مآب حضرت محمد ﷺ کی پیدائش مبارک
بنی اسرائیل کی بجائے معزز قبیلے بنی اسماعیل میں ہوئی۔مقدس شہر مکہ مکرمہ میں حضرت
عبدالمطلب ہاشمی کے حسین وجمیل لاڈلے بیٹے حضرت عبداللہ کی اہلیہ محترمہ حضرت سیدہ
آمنہ بنتِ وہب کے بطن سے رحمتِ مجسم ﷺ کی ولادت باسعادت کی خبر سُن کر کائنات
کی جُملہ مخلوق مسرور وشاداں ہوئی لیکن یہودیوں میں صفِ ماتم بچھ گئی اسلئے کہ قادرِ مطلق
نے تاجِ نبوت اور اعزازِ نبوت بنی اسرائیل سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے چھین لیا۔

یہودیوں نے سیدالرسول ﷺ پر ایمان لانے کی بجائے اپنی ذاتی انانیت کی
خاطر اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کو نہ صرف ماننے سے انکار کر دیا بلکہ ابلیسِ لعین کی طرح
مخالفت میں ڈٹ گئے، آج تک اسی مخالفت پر ظاہری اور خفیہ طور پر عمل پیرا ہیں۔ہر
میدان میں اسلام اور مسلمانوں سے اختلاف اور دُشمنی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اگرچہ
مسلمانوں کے مقابل یہودیوں کو ہر میدان میں شکست وناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اس کے با
وجود مسلمانوں نے ہمیشہ اسلامی تعلیمات کے تقاضے پورے کرتے ہوئے فاتح ہونے

کے باوجود یہود ونصاریٰ سے رواداری، اخلاق ومُروّت اور شرافت کا سلوک کیا۔لیکن
اس کے جواب میں یہود ونصاریٰ نے ہمیشہ خباثت، خودغرضی اور احسان فراموشی کا
مظاہرہ کیا۔اس دور میں تازہ ترین بہیمانہ مظاہرہ فلسطین عراق، افغانستان اور پاکستان
میں ڈرون حملوں کی صورت دیکھا گیا ہے۔

یہود ونصاریٰ ہرگز قابلِ اعتماد نہیں

مسلمانوں کو یہود ونصاریٰ کے مکروفریب سے آگاہی کیلئے اللہ تعالیٰ نے
قرآن میں بیان فرمایا ہے۔کہ ''تم نے نہیں دیکھا کہ جنہیں کتاب سے حصہ ملا تھا، وہ
گمراہی مول لے رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی گمراہ ہو جاؤ'' (النساء:۵،۷)

''یہ یہود ونصاریٰ آپ سے ہرگز خوش نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپ ان کے
مذہب کے پیروکار نہ بن جائیں۔'' (البقرہ:۱۴،۱)

''اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے وہ ایسے ہیں کہ
اُنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے۔ان کو اور کافروں کو دوست نہ بناؤ اور
اللہ سے ڈرتے رہو۔'' (المائدہ:۶،۸)

''اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ، وہ ایک دوسرے کے
دوست ہیں اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی کرے گا وہ انہی میں شمار ہوگا۔''
(المائدہ:۲،۱۲)۔''مومنوں کو نہ چاہیے کہ مومنوں کے ہوتے ہوئے کافروں کو اپنا
دوست بنائیں جس نے ایسا کیا تو پھر اللہ کیساتھ اُسکا کوئی سروکار نہیں۔'' (آلِ عمران:
۳،۱۱)۔ ''اُن اہلِ کتاب میں سے یا مشرکین میں سے جو لوگ کافر ہیں وہ ذرا بھی اس
امر کو پسند نہیں کرتے کہ تمہارے اوپر کوئی بھی بھلائی تمہارے پروردگار کی طرف سے
اُترے۔'' (البقرہ ۱،۱۳)

اہلِ کتاب اور کافر کون ہیں؟

وہ پیغمبر جن پر آسمانی کتابیں نازل ہوئیں اُن کی اُمتیں اہلِ کتاب کہلاتی ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ یہودی اور عیسائی بھی اہلِ کتاب ہیں۔ ہندو، آتش پرست، ستارہ پرست، بدھ اور لا دین گروہ یا اقوام کو کافر کہا جاتا ہے۔ مومنوں کی پہچان اور نشانیاں جو قرآنِ پاک میں بیان کی گئی ہیں درج ذیل ہیں۔

''اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں۔'' (انفعال:۹،۱)

''جس قدر رزق انہیں دیا جاتا ہے اُسی پر قناعت کرتے ہیں۔'' (ایضاً)

''نماز وقت کی پابندی کیساتھ خشوع وخضوع سے ادا کرتے ہیں۔'' (ایضاً)

''ہر قسم کی لغویات سے احتراز اور اجتناب کرتے ہیں اور پاک صاف رہتے ہیں۔'' (المومنون:۱۸،۱)۔ ''اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔'' (ایضاً)

''امانت میں خیانت نہیں کرتے۔'' (ایضاً) ''اپنے قول وقرار سے منحرف نہیں ہوتے۔'' (ایضاً) ''اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اسکی مخلوق پر خرچ کرتے ہیں۔'' (البقرہ:۱،۱)۔

''اللہ کی راہ میں مال وجان سے جہاد کرتے ہیں۔'' (الحجرات)

''اللہ کے احکامات اور رسول اللہ کے ارشادات پر کامل یقین رکھتے ہیں اور ان میں قطعاً شک نہیں کرتے''۔ (ایضاً)

ان صفات کے حامل مسلمان مومنین کہلانے کے مستحق ہیں اور ایسے مومنین کیساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں فتح ونصرت، کامیابی وکامرانی، عزت واعزاز، کافروں پر غلبہ اور زمین پر حکومت عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

''اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون سچا ہو سکتا ہے۔'' (النساء:۵،۱۸) ''اللہ کبھی اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔'' (روم:۲۱،۱) ''اللہ کافروں کو مومنوں پر ہرگز غالب نہ

کرے گا۔'' (النساء:۵،۱۰) ''تم ہی غالب رہو گے اگر تم پورے مومن رہے۔''

''عزت صرف اللہ اور اُس کے رسول اور مومنوں کیلئے ہے۔''

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور ٹھیک عمل کریں ان سے اللہ وعدہ کرتا ہے کہ ان کو زمین پر حکومت عطا کرے گا۔''

اگر مُسلم اُمہ نے بحیثیت قوم اپنی حالت نہ بدلی یعنی الہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی کامل اطاعت نہ کی۔ قُرآنِ پاک اور شرعِ محمدی ﷺ کو اپنا دستورِ حیات نہ بنایا تو اسکا انجام اچھا نہ ہوگا۔ ''حق تعالیٰ کوئی دوسری قوم لے آئے گا جو، ان جیسی نہ ہوگی بلکہ اسے اللہ تعالیٰ سے عشق ہوگا اور اللہ کو اس سے محبت ہوگی، وہ مسلمانوں پر شفیق اور مہربان ہوگی اور اللہ کے دُشمنوں پر بھاری ہوگی۔ اللہ کی راہ میں جان ومال سے جہاد کرنے والی ہوگی اور وہ کسی بات سے خائف ہونے والی نہیں ہوگی۔'' (المائدہ ۶،۱۲)

کسی شے کو اللہ تعالیٰ کی منشا کے بغیر بقا حاصل نہیں

اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے نتیجہ میں دُنیا میں اپنے ہی ہاتھوں گم کردہ اپنی عظمت وامارت، سعادت وسیادت اور بالادستی دوبارہ حاصل کرنے کی شدید خواہش یہودیوں کے قلب وذہن کو ڈستی رہتی ہے۔ صدیاں گزرنے کے باوجود یہودیوں کو یہ بات سمجھ نہ آسکی کہ دُنیا فانی ہے اور اس میں موجود کسی شے کو اللہ تعالیٰ کی منشا کے بغیر بقا حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اُسکے انبیاء ورُسل کی اطاعت میں اُمتوں کا عروج اور اُن سے رُوگردانی میں زوال ہے۔ اگر قارونیت، شدادیت، نمرودیت اور فرعونیت کی شان وشوکت، مال ودولت، اقتدار وحکومت اور انانیت نیست ونابود ہو چکی ہیں تو یہودیت ونصرانیت کو کیوں کر بقا مل سکتی ہے۔

یہود و نصاریٰ ارضِ خاکی کے سینہ پر لکھی تاریخ پڑھ لیں۔

یہود و نصاریٰ اگر تعصب کی بنا پر یہ بات قرآنی حوالوں سے نہ دیکھنا چاہیں تو ارضِ خاکی کے سینہ پر لکھی تاریخ پڑھ لیں اور عذابِ الٰہی کی وہ نشانیاں اپنے سر کی آنکھ سے دیکھ لیں جو اس دور میں بھی قرآنی حوالوں کے مطابق دریافت ہو رہی ہیں۔

یہود و نصاریٰ کو چاہیے کہ اپنی عظمتِ رفتہ کی یاد میں آنسو بہانے، دینِ اسلام کی مخالفت، ملتِ اسلامیہ کو زیر اور تباہ و برباد کرنے کی متکبرانہ و متعصبانہ کوششوں کی بجائے اپنے انبیاء پر نازل ہونے والی مقدس کُتب کی خالص و حقیقی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اس دُنیا کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنا دیں۔ اپنی صلاحیتیں ایسے کاموں میں لگائیں جس سے اولادِ آدم کا ہر ادنیٰ و اعلیٰ مستفیض ہو کر اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط اور شیطان سے دُور ہو سکے۔ اس طرح اگر اللہ کی منشا اور حکم کے مطابق سچے دل سے حضور نبی اکرم ﷺ پر ایمان لا کر مومنین کی صف میں شامل ہو جائیں تو اللہ معاف کرنے اور بے شمار نعمتیں عطا کرنے والا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ ''تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور ٹھیک عمل کریں ان سے اللہ وعدہ کرتا ہے کہ ان کو زمین پر حکومت عطا کرے گا۔'' ''البتہ جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابی جو کوئی بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے سو ان کیلئے ان کے پروردگار کے پاس انکا اجر ہے۔ اور ان کیلئے نہ کوئی اندیشہ اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' (البقرہ ۱:۸۰)

یہودیوں کے بدنامِ زمانہ دستاویز ''پروٹوکولز'' (وثائق)

یہودی دُنیا میں پھر برسرِ اقتدار آنے اور اپنی عظمت، امارت اور حکومت قائم کرنے کیلئے کئی سال تک خفیہ کانفرنسیں کرتے رہے۔ یہودی ماہرین، مدبرین اور

مفکرین مدتوں سر جوڑ کر بیٹھے اور بالآخر ۱۸۹۷ء میں بڑے غور و خوض کے بعد اپنی تمام کوششیں تین نکات پر مرکوز کرنے کا فیصلہ کیا۔

۱۔ یہودیوں کیلئے ایک قومی وطن کا قیام ۲۔ دُنیا کے مالی نظام پر قبضہ اور تسلط۔

۳۔ مسلمانوں میں انتشار و افتراق اور اسلامی ممالک کو تباہ و برباد کرنا۔

ان مقاصد کے حصول کیلئے یہودیوں نے ساری دُنیا میں ایک سازشی جال بچھایا، جب اسکے خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہوئے تو یہودیوں کی ایک پُراسرار شخصیت نے ۳۳ تینتیسویں درجہ کے یہودیوں کے نمائندوں کا ایک اجلاس بلایا جس کی کئی نشستوں میں اس عظیم سازشی منصوبہ کی تفصیلات بغرض توثیق بیان کیں جو باقاعدہ ایک مسودہ کی صورت میں ضبطِ تحریر میں لائی گئیں اور اس پر ان نمائندوں نے اپنے تصدیقی دستخط ثبت کئے۔ دُنیا کی بدنام ترین یہ دستاویز ''پروٹوکولز'' کے نام سے مشہور ہے۔ راقم الحروف نے اپنی زیرِ تکمیل کتاب ''آئینۂ یہودیت'' میں ''پروٹوکولز'' پر خصوصی باب تحریر کیا ہے جس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

یہودی سازشوں کا دستاویزی ثبوت منظرِ عام پر آنا۔

اس مسودہ کی کاپی ایک عورت نے یہودیوں کی خفیہ تنظیم فری میسن کی ایک اعلیٰ خاتون رہنما کے ہاں سے چوری کر کے اس راز کو طشت از بام کر دیا جسے روسی اخباروں نے ۱۹۰۲ء اور ۱۹۰۳ء میں شائع کیا۔ روسی پادری پروفیسر سرجائی اے نائکس نے اسے عیسائیت کے خلاف ایک عظیم سازش قرار دیا اور ۱۹۰۵ء میں ازراہِ خدمتِ انسانیت اس مسودہ کو کتابی شکل میں شائع کر دیا۔ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی۔ ۱۹۱۷ء تک اسکے چار ایڈیشن شائع ہوئے۔ اسکے دوسرے ایڈیشن کا ایک نُسخہ روسی سنسر سے پاس ہو کر ۱۹۰۵ء کے آخر میں برٹش میوزیم کی لائبریری میں پہنچ گیا جو آج تک وہاں محفوظ ہے۔ کتابی شکل

کے علاوہ اسے رائس پیپر پر ٹائپ کر کے سائبیریا کے علاقے میں بکثرت تقسیم کیا گیا اور وہاں سے اسکا ایک نسخہ ۱۹۱۹ء کے آخر میں امریکہ پہنچا۔ وہاں بڑے اہتمام سے اسکا انگریزی ترجمہ شائع ہوا۔ روس میں ''مارننگ پوسٹ'' کا نمائندہ مسٹر کٹرامی مارسڈن جب روس میں اپنی دو سالہ سزا بھگت کر انگلستان واپس پہنچا تو اس نے برٹش میوزیم کی لائبریری میں بیٹھ کر اس کتاب کا پہلی فرصت میں انگریزی میں ترجمہ کیا جو امریکی ترجمہ سے بہتر ثابت ہوا۔ یہ ترجمہ ۱۹۲۰ء میں انگلستان میں شائع ہوا۔ جرمنی کے فیوہر ہٹلر نے بھی اسکے مختلف زبانوں میں تراجم شائع کرائے۔ مگر یہ ہر دور میں نایاب رہے اسلئے کہ جہاں بھی یہ کتاب چھپی یہودی اور ان کے ایجنٹ اس کے سارے نسخے خرید کر تلف کر دیتے تا کہ دُنیا یہودیوں کے عزائم سے بے خبر رہے۔

بیسویں صدی کے اوائل میں بین الاقوامی یہودی عزائم اور عالمی صیہونی سازشوں سے دنیا بھر کو آگاہ کرنے والی ایک نادر و نایاب کتاب ''انٹرنیشنل جیو'' (عالمی یہودی) جس کی دس ملین سے زیادہ کاپیاں شائع ہو چکی ہیں۔ صیہونیوں کے بین الاقوامی نیٹ ورک کو بے نقاب کرنے والی تہلکہ انگیز کتاب ''International Jew'' جسے یہودیوں نے اپنے عزائم فاش ہونے کے خطرہ کے پیشِ نظر امریکہ میں قابلِ ضبطی قرار دلوا دیا تھا۔

جدید امریکی تاریخ اور معیشت کی معروف و ممتاز صنعت کار اور شہرہ آفاق ''فورڈ موٹر کمپنی'' کے بانی ہنری فورڈ کے تحقیقی مضامین پر مشتمل کتاب کا نام ''انٹرنیشنل جیو'' ہے، جس کی اشاعت کا آغاز 1920ء سے ہوا۔ ولیم جے کیمرون اور ہنری فورڈ کے تحریر کردہ یہ تمام مضامین فورڈ موٹر کمپنی کے ہفت روزہ ترجمان رسالہ ''ڈیئربورن انڈی پینڈنٹ'' میں قسط وار شائع ہوئے جن کو بعد میں ''The international

jew'' کے عنوان سے کتابی شکل میں یک جا کر دیا گیا تھا۔ ایک محب وطن امریکی یہودی کی تحریر کردہ اس کتاب میں غالباً پہلی بار بین الاقوامی سطح پر یہودی عزائم اور عالمی صیہونی سازشوں کا پردہ چاک کیا گیا تھا۔ اپنے موضوع اور مواد کی اہمیت و افادیت کے حوالے سے ہنری فورڈ کی اس غیر معمولی کتاب کو عالمگیر شہرت اور کامیابی حاصل ہوئی، اسکا شمار دنیا کی سب سے زیادہ شائع ہونے والی کتابوں میں ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق صرف امریکہ میں اس کتاب کی دس ملین سے زیادہ کاپیاں فروخت ہو چکی ہیں، دنیا کی سولہ زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے، امریکہ، یورپ اور مشرق وسطی کے لاکھوں قارئین اس کتاب کو پڑھ چکے ہیں۔ تاہم آج اس کتاب کا حصول بے حد دشوار ہے۔ کتابوں کی کسی بھی دکان اور لائبریری میں یہ کتاب آج دستیاب نہیں۔

المناک حقیقت یہ ہے کہ امریکہ جیسے انسانی حقوق، آزادی رائے، شہری و صحافتی آزادیوں اور جمہوریت کے نام نہاد دعویدار ملک میں اس کتاب کی اشاعت اور فروخت کو شرم ناک انداز میں دبا دیا گیا ہے کیونکہ اسکے محب وطن مصنف نے اپنے ہم وطنوں کو صیہونی سازشوں اور یہودیوں کے پُر خطر عزائم سے خبردار کرنے کی ایک دلیرانہ ہمت کی تھی۔ بہر کیف ہنری فورڈ نے اپنی اس کتاب میں جن سنگین خطرات اور خدشات سے امریکی عوام کیساتھ ساتھ پوری دنیا کو آگاہ کیا تھا، آج ان کے تباہ کن مناظر اور نتائج ہم سب کے سامنے ہیں۔ آپ بین الاقوامی حالات و واقعات اور عالمی منظر نامے پر ایک نظر ڈالیں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ بیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں ہنری فورڈ جیسے دور اندیش شخص نے دنیا کو جن پُر خطر امکانات سے پیشگی طور پر آگاہ کیا تھا وہ آج ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ان وجوہات کے پیش نظر یہ کتاب ایک عظیم الشان تحقیقی اور تخلیقی کارنامہ ہے جس میں یہودیوں کی غیر اخلاقی سرگرمیاں، شر انگیز حرکات، خود پرستی

،مفاد پرستی اور اٹل حقائق سے بغاوت جیسی منفی اور تباہ کن برائیوں کے حقیقی سرچشموں کا سراغ لگایا گیا ہے۔اس اعتبار سے یہ کتاب ان تمام صیہونی قوتوں اور عناصر کیلئے ایک سنگین چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے جو موجودہ دنیا کو اپنے خود ساختہ نیو ورلڈ آرڈر کا غلام بنانے کیلئے گزشتہ کئی عشروں سے کوشاں ہیں۔اس کتاب کا مطالعہ نیو ورلڈ آرڈر کے ایجنڈے میں پوشیدہ تمام خطرات اور نقصانات سے باخبر رہنے کیلئے نہایت ضروری ہے ۔راقم الحروف کی زیرِ تکمیل کتاب ''آئینۂ یہودیت'' اس موضوع پر قارئین کو اہم اور پُر تحقیق مواد مہیا کرے گی۔

درج بالا صفحات میں نہایت اختصار سے عقیدہ ''ختمِ نبوت'' کے مخالفین اور امن دُشمن یہودیوں کا حقیقی رُوپ دکھانے کی کوشش اس لئے کی ہے تاکہ امن دُشمن قوتوں، اُس کے آلہ کاروں اور حمایتیوں کی اقوامِ عالم خصوصاً مسلم اُمہ ٹھیک ٹھیک پہچان کرسکیں اور عقیدہ ''ختمِ نبوت'' کا تحفظ اور اس کے خلاف سازشوں کا سدِ باب کرسکیں ۔باطل قوتوں کی ذریات، طاغوتی کیڑوں مکوڑوں اور مرزا قادیانی جیسی ہزاروں کٹھ پتلیاں جو آج بھی ہمارے مذہبی، سیاسی، معاشی اور سماجی وجود اور فوجی قوت کو لاغر کرنے کی کوششوں میں سرگرم ہیں، ان کا بروقت محاسبہ کرنے کیلئے ضروری ہے کہ طاغوت کے انہی چھوٹے موٹے مکروہ کرداروں کے افعال واعمال پر کڑی نظر رکھنے کیساتھ ساتھ اُن ہاتھوں کو بے نقاب اور مفلوج کرنا چاہئے جن ہاتھوں کیساتھ ان کی ڈوریاں بندھی ہوئی ہیں۔

علامہ اقبال کا نظریہ ختم نبوت

اللہ پاک نے بندوں کی ہدایت کے لئے نبوت ورسالت کا جو نظام قائم کیا تھا وہ اپنے اہداف کو پورا کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا تمام انبیاء کرام اپنے اپنے عہد میں نبوت ورسالت کے تقاضے پورے کرتے رہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس عظیم الشان سلسلہ کی تکمیل ہوئی اور آپ کے بعد نبوت و رسالت کا یہ مبارک سلسلہ ختم ہوا۔اب اگر کوئی نبوت ورسالت کا دعوٰی کرے وہ کافر قرار پائے گا۔کیونکہ اب دنیا کی وسعتیں سمٹ رہی ہیں۔لہٰذا نظام فطرت کے تحت اور انسانی معاشرے کی ضرورتوں کے عین مطابق نبوت و رسالت کے تمام کمالات اور تقاضے سمیٹ کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔دنیا کو ایک وحدت میں پرونے کے لئے شریعت محمدی کو آخری اور حتمی شکل دے کر وحی کے سلسلے کو بند کر دیا گیا ہے۔اہل اسلام کے اس متفقہ نظریے کو نظریہ ختم نبوت کہا جاتا ہے۔

علامہ اقبال پہلے مجتہد ہیں جنہوں نے ختم نبوت کو اجتہاد کی اساس قرار دیا ہے۔نبوت ختم ہو گئی ہے اور اجتہاد شروع ہو گیا ہے۔علامہ اقبال کی یہ رائے تاریخ مذاہب عالم میں ایک نئے باب کا اضافہ ہے۔وہ اپنے انگریزی خطبات کے باب ''مسلم ثقافت کی روح'' کے صفحہ ۱۲۶ پر لکھتے ہیں۔

Looking at the matter from this point of view, then, the Prophet of Islam seems to stand between the ancient and the modern world. In so far as the source of his revelation is concerned he belongs to the ancient world; in so fat as the spirit of his revelation is concerned he belongs to the modern world. In him life

discovers other sources of Knowledge suitable to its new direction. The birth of Islam, as i hope to be able presently to prove to your satisfaction, is the birth of inductive intellect. in Islam prophecy reaches its perfection in discovering the need of its own abolition. This involves the keen perception that life cannot for ever be keptin leading strings; that inorder to achieve full self-conciousness man must finally be thrown back on his own resources. the abolition of reiesthood and hereditary kingship in Islam, the constant appeal to reason and experience in the Quran, and the dmphsis that it lays on Nature and History as sources of human Knoeledge, are all different aspects of the same idea of finality.

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یوں نظر آئے گا جیسے پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیثیت، دنیائے قدیم اور زمانہ جدید کے درمیان ایک واسطے کی ہے۔ اپنے سرچشمہ، وحی کے اعتبار سے آپ کا تعلق دنیائے قدیم سے ہے لیکن اپنی وحی کی روح کے اعتبار سے آپ کا تعلق زمانہ جدید سے ہے۔ آپ کے وجود سے حیاتِ انسانی پر علم وحکمت کے وہ سرچشمے منکشف ہوئے جو اس کے آئندہ رُخ کے عین مطابق تھے۔ اسلام کا ظہور جیسا کہ آگے چل کر خاطر خواہ طور پر ثابت کر دیا جائے گا استقرائی عقل کا ظہور ہے۔ اسلام میں نبوت اپنے ختم کے انکشاف سے اپنے معراج کو پہنچتی ہے۔ اس سے یہ گہری بصیرت حاصل ہوتی ہے کہ حیاتِ انسانی کو ہمیشہ بچے کی طرح ڈوری کے ذریعے چلنا سیکھنے کی کیفیت میں نہیں رکھا جا سکتا۔ مکمل شعور کے حصول کے لئے انسان کو بالآخر اپنے انسانی وسائل علم پر انحصار کرنا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مذہبی پیشوائیت اور موروثی

ملوکیت کو ختم کر دیا ہے۔ قرآن میں بار بار عقل اور تجربے پر زور دیا گیا ہے۔ عالم فطرت اور عالم تاریخ انسانی ذرائع علم قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ تمام ذرائع علم ختم نبوت کے مختلف پہلو ہیں۔

علامہ اقبال کے اس اجتہاد سے یہ نتائج اخذ ہوتے ہیں:

اول: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم قدیم اور زمانہ جدید کے درمیان واسطہ ہیں۔ آپ کی وحی کا تعلق سرچشمہ کے اعتبار سے زمانہ قدیم سے ہے، جبکہ اس کی روح کا تعلق دورِ جدید سے ہے۔

دوم: ظہورِ اسلام، دراصل استقرائی عقل کے ظہور کا نام ہے۔

سوم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے علم وحکمت کے ایسے چشمے جاری ہوئے جو نئے دور کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔

چہارم: نبوت اپنے ختم کے انکشاف سے اپنے عروج کو پہنچ گئی ہے۔

پنجم: حیاتِ انسانی بلوغت کو پہنچ کر آئندہ نبوت کی محتاج نہیں رہی۔ وہ اپنے وسائل علمی سے خود انحصار حاصل کر چکی ہے۔

ششم: ختم نبوت اعلانِ عام ہے۔ ختم مذہبی پیشوائیت اور ختم موروثی ملوکیت۔

ہفتم: ختم مذہبی پیشوائیت، ختم ملوکیت، عقلی وتجرباتی علوم پر زور، فطرت اور تاریخی ذرائع علم پر انحصار، عقیدۂ ختم نبوت کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ ختم نبوت پر ایمان، ان ذرائع علم پر ایمان کا تقاضا کرتا ہے۔

ہشتم: ختم مذہبی پیشوائیت اور ختم موروثی ملوکیت کا انکار، عقیدۂ ختم نبوت کا انکار ہے۔

نہم: عقلی وتجرباتی علوم پر زور کا انکار اور فطرت اور تاریخ کے ذرائع علم پر انحصار کا انکار، عقیدۂ ختم نبوت کا انکار ہے۔

بعد از تو نبوت شد بہر مفہوم شرک
بزم را روشن زنورِ شمع عرفاں کردہ ای

مذکورہ بالا فارسی شعر میں کہتے ہیں ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ کے بعد نبوت ہر مفہوم میں شرک ہے، آپ نے عرفان حق کی شمع سے بزم کائنات کو روشن فرما دیا ہے لہٰذا اب کسی

نبی کی ضرورت نہیں رہی''۔ اقبال کے فارسی کلام میں جابجا نظریہ ختم نبوت پر عمدہ اشعار ملتے ہیں جنہیں پڑھ کر قاری نہ صرف شعری ذوق کی تسکین حاصل کرتا ہے بلکہ بے شمار فکری گتھیاں بھی سلجھا لیتا ہے۔ آگے چل کر ہم مزید اشعار سے قارئین کی ضیافت کریں گے لیکن پہلے علامہ اقبال کے نثری کلام کے مطالعہ سے اقبال کی نظریہ ختم نبوت سے وابستگی اور قادیانیت کی تردید وتغلیط کے ضمن میں اُن کی علمی خدمات کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

عام طور پر ہم علامہ اقبال کو شاعر کے روپ میں ہی دیکھتے ہیں نثر نگار اقبال کو زیادہ سنجیدگی سے نہیں پڑھتے حالانکہ اقبال کے تحقیقی نثر پارے اتنے جاندار اور شاندار ہیں کہ قوم کی فکری تربیت کے اہم تقاضے پورے کر سکتے ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنے مختلف مقالات، مضامین، خطبوں اور خطوط میں بڑے عمدہ اور موثر پیرائے میں ردِ قادیانیت کا فریضہ ادا کیا ہے آیئے کچھ اقتباسات دیکھتے ہیں جن سے پتا چلے گا کہ اقبال نظریہ ختم نبوت کے کتنے بڑے پرچارک تھے۔

(۱) پنڈت جواہر لعل نہرو کے ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں:

۲۱ جون ۱۹۳۵ء، لاہور

میرے محترم پنڈت جواہر لعل!

آپ نے خط بھیجا جو مجھے کل ملا بہت بہت شکریہ جب میں نے آپ کے مقالات کا جواب لکھا تب مجھے اس بات کا یقین تھا کہ احمدیوں کی سیاسی روش کا آپ کو بخوبی اندازہ نہیں ہے۔ دراصل جس خیال نے خاص طور پر مجھے آپ کے مقالات کا جواب لکھنے پر آمادہ کیا وہ یہ تھا کہ میں دکھاؤں علی الخصوص آپ کو کہ مسلمانوں کی یہ وفاداری کیونکر پیدا ہوئی اور بالآخر کیوں کر اس نے اپنے لیے احمدیت میں ایک الہامی بنیاد پائی۔ جب میرا مقالہ شائع ہو چکا تو بڑی حیرت سے معلوم ہوا کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کو بھی ان اسباب کا تصور نہیں جنہوں نے قادیانیت کو ایک خاص قالب میں ڈھالا۔ مزید برآں پنجاب اور دوسری جگہوں پر آپ کے مقالات پڑھ کر آپ کے مسلمان عقیدتمندوں کو یہ گمان گزرا کہ احمدی تحریک سے آپ کو ہمدردی ہے اور یہ اس سبب سے ہوا کہ آپ کے مقالات سے احمدیوں میں مسرت وانبساط کی ایک لہر سی دوڑا دی آپ کی نسبت اس غلط فہمی کے پھیلانے کا ذمہ دار بڑی حد تک احمدی پریس تھا۔ بہر حال مجھے خوشی ہے کہ میرا تاثر غلط ثابت

ہوا۔ مجھ کو خود ''دینیات'' سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں ہے مگر احمدیوں سے خود انہی کے دائرہ فکر میں نپٹنے کی غرض سے مجھے بھی ''دینیات'' سے کسی قدر جی بہلانا پڑا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے یہ مقالہ اسلام اور ہندوستان کے ساتھ بہترین نیتوں اور نیک ترین ارادوں میں ڈوب کر لکھا۔ میں اس باب میں کوئی شک وشبہ اپنے دل میں نہیں رکھتا کہ یہ احمدی، اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں۔

لاہور میں آپ سے ملنے کا جو موقع میں نے کھویا، اس کا سخت افسوس ہے۔ میں ان دنوں بہت بیمار تھا اور اپنے کمرے سے باہر نہیں جا سکتا تھا۔ مسلسل اور پیہم علالت کے سبب میں عملاً عزلت گزیں ہوں اور تنہائی کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ آپ مجھے ضرور مطلع فرمائیں کہ آپ پھر کب پنجاب تشریف لا رہے ہیں؟ شہری آزادیوں کی انجمن کے بارے میں آپ کی جو تجویز ہے اس سے متعلق میرا خط آپ کو ملا یا نہیں؟ چونکہ آپ اپنے خط میں اس خط کی رسید نہیں لکھتے، اس لئے مجھے اندیشہ ہو رہا ہے کہ یہ خط آپ کو ملا ہی نہیں۔

آپکا مخلص: محمد اقبال

(کچھ پرانے خط حصہ اول، مرتبہ جواہر لعل نہرو، مترجمہ عبدالمجید الحریری) تشکیل جدید الٰہیات علامہ اقبال کی مشہور کتاب ہے جس میں اقبال نے خطبات شامل ہیں آیئے۔ ایک اقتباس پڑھتے ہیں۔

ختم نبوت اسلام کا ایک نہایت لازم اور بنیادی تصور ہے۔ اسلام میں نبوت چونکہ اپنے معراج کمال کو پہنچ گئی، لہٰذا اس کا خاتمہ ضروری ہو گیا۔ اسلام نے خوب سمجھ لیا تھا کہ انسان سہاروں پر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اس کے شعور ذات کی تکمیل ہو گی تو یوں ہی کہ وہ خود اپنے وسائل سے کام لینا سیکھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اگر دینی پیشوائی کو تسلیم نہیں کیا یا موروثی بادشاہت کا جائز نہیں رکھا، یا بار بار عقل اور تجربے پر زور دیا، عالم فطرت اور عالم تاریخ کو علم انسانی کا سرچشمہ ٹھہرایا تو اس لئے کہ ان سب کے اندر یہی نکتہ مضمر ہے یہ سب تصورات خاتمیت ہی کے مختلف پہلو ہیں۔ ہم نے ختم نبوت کو مان لیا تو گویا یہ عقیدہ بھی مان لیا کہ اب کسی شخص کو اس دعوے کا حق نہیں پہنچتا

کہ اس سے علم کا تعلق چونکہ کسی مافوق سرچشمہ سے ہے لہٰذا ہمیں اس کی اطاعت لازم آتی ہے۔ خاتمیت کا تصور ایک طرح کی نفسیاتی قوت ہے جس سے اس قسم کے دعوؤں کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ (پانچواں خطبہ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، صفحہ ۹۵۔۱۹۳)

حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے خلیفہ، مولانا پروفیسر محمد الیاس برنی علامہ اقبال کے قلمی دوستوں میں سے تھے آپ کی کتاب ''قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ'' ختم نبوت کے مناظرانہ ادب میں کلیدی اہمیت کی کتاب ہے اس میں پروفیسر برنی کی وہ تقریریں شامل ہیں جو آپ عید میلاد النبی کے جلسوں میں کیا کرتے تھے اور ان میں قادیانیوں کا رد کیا کرتے تھے یہ کتاب پاک و ہند میں کئی اداروں کی طرف سے چھپ چکی ہے پروفیسر محمد الیاس برنی کے نام اپنے ایک خط میں اقبال لکھتے ہیں۔

''جہاں تک مجھے معلوم ہے **بروز** کا مسئلہ **عجمی** مسلمانوں کی ایجاد ہے اور اصل اس کی آرین ہے۔ میری رائے میں اس مسئلہ کی تاریخی تحقیق قادیانیت کا خاتمہ کرنے کے لئے کافی ہے''۔ (پروفیسر محمد الیاس برنی کے نام مکتوب)۔ ۲۷ مئی ۱۹۳۷ء

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حسین احمد مدنی نے کانگریس کے زیر اثر ایک سیاسی نظریہ پیش کیا کہ قومیں نظریات سے نہیں وطن سے بنتی ہیں۔ علامہ اقبال نے اس سیاسی اور فکری گمراہی پر حسین احمد مدنی کا بہت مہذب انداز میں قلمی تعاقب کیا۔ اس مسئلہ کا تفصیلی ذکر ماہر اقبالیات سید نور محمد قادری نے اپنی کتاب ''اقبال کا آخری معرکہ'' میں کیا ہے اس سلسلہ میں اقبال کے اشعار بہت مشہور و مقبول ہیں۔

عجم ہنوز نہ داند رموز دیں ورنہ
ز دیو بند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود برسر منبر کہ ''ملت از وطن است''
چہ بے خبر ز مقام **محمد** عربی است
بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

حسین احمد مدنی کو سرزنش کرتے ہوئے اقبال نے انکے نظریہ وطنیت و قومیت کو ''قادیانی افکار کا تتبع'' قرار دیا اور اُن کو لکھا۔ بظاہر نظریہ وطنیت سیاسی نظریہ ہے اور انکار خاتمیت الہیات کا مسئلہ ہے لیکن ان دونوں میں ایک گہرا معنوی تعلق ہے، جس کی توضیح اس وقت ہوگی جب کوئی دقیق النظر مسلمان مؤرخ، ہندی، مسلمانوں بالخصوص ان کے بعض بہ ظاہر مستعد فرقوں کے دینی افکار کی تاریخ مرتب کرے گا۔ (مولانا حسین احمد مدنی کے جواب میں ۹ مارچ ۱۹۳۸ء)

اپنے اسی خط میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔

قادیانی نظریہ ایک جدید نبوت کے اختراع سے قادیانی افکار کو ایک ایسی راہ پر ڈال دیتا ہے کہ اس سے نبوت محمدیہ کے کامل و اکمل ہونے سے انکار کی راہ ملتی ہے''۔ (مولانا حسین احمد مدنی کے جواب میں)

یہ تو تھا اقبال کے نثری ذخیرے میں سے کچھ نمونہ کلام اور اب قارئین کی خدمت میں اقبال کے اشعار پیش ہیں۔

جب مرزا قادیانی نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا علامہ اقبال نے مرزا کی مہدویت کی قلعی کھولتے ہوئے ضرب کلیم کے صفحہ ۶۵ پر فرمایا۔

دنیا کو ہے اُس مہدی برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگہ زلزلہء عالم افکار

جب مرزا غلام احمد نے قرآن کی من مانی تاویلات شروع کیں تو اقبال نے مرزا کی طرف لطیف اشارہ کرتے ہوئے اس کتاب میں فرمایا۔

قرآن کو بازیچہء تاویل بنا کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد

آخر جب مرزا نے نبوت کا دعویٰ کر ڈالا تو ختم نبوت کی ایمان آفریں تشریح کرتے ہوئے حضرت اقبال کا خوبصورت اور دوٹوک انداز ملاحظہ کیجئے۔

پس خدا برما شریعت ختم کرد
بررسول ما رسالت ختم کرد

ترجمہ: بس اللہ تعالیٰ نے ہمارے پر شریعت ختم کردی ہے اور ہمارے رسول پر رسالت ختم کردی ہے۔ایک اور جگہ فرماتے ہیں

رونق از ما محفل ایام را
او رسل را ختم ما اقوام را

ترجمہ: ہمارے رسول رسولوں میں آخری ہیں اور ہم آخری قوم ہیں اب قیامت تک محفل ایام کی رونق ہمیں سے ہے۔

ایک شعر میں حدیث پاک کے الفاظ ''لا نبی بعدی'' کا بڑے پیارے انداز میں پیوند لگایا ہے۔

لا نبی بعدی ز احسان خدا است
پردۂ ناموس دین مصطفیٰ است

ترجمہ:

جب مرزا نے اپنے آپ کو قرآن کی آیات مقدسہ کا مصداق ٹھہرانا شروع کیا تو ایک بار پھر اقبال کا غیور قلم حرکت میں آیا

عصر من پیغمبرے ہم آفرید
آنکہ در قرآن بغیر ۔از خود ندید

ہمارے زمانے (انگریزی عہد) کے نزدیک ایسا پیغمبر پیدا کرڈالا ہے جسے قرآن میں اپنے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا۔آخر میں علامہ اقبال کا ختم نبوت کے موضوع پر ایک اردو شعر ملاحظہ فرمائیں۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

سفیر اسلام حضرت شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

اہلِ قلم کی نظر میں

فلپائن میں پاکستان کے سابق سفیر سید علی محمد راشدی روزنامہ جنگ کی ۲۱ ستمبر ۱۹۸۴ کی اشاعت میں لکھتے ہیں:

''اُن (حضرت شاہ عبدالعلیم صدیقی) کی تبلیغی کاوشوں اور اسلامی خدمات کا صحیح اندازہ مجھے تب ہوا جب میں پاکستان کا سفیر بن کر فلپائن پہنچا۔ وہاں کے حالات یہ تھے کہ کسی زمانے میں انڈونیشیا کی طرح فلپائن بھی مسلمانوں کی اکثریت کا ملک تھا۔ بعد میں جب سپین والے وہاں آئے اور مسلمان راجہ سلیمان نوشکست دے کر ان جزیروں پر قابض ہو گئے تو انہوں نے زبردستی مسلمانوں کو تقریباً من حیث القوم مرتد (کرستان) بنایا۔ یہاں کئی سو سال سپین والوں کی حکومت چلی اور یہ ہر وقت ان کی طرف سے کوشش رہی کہ ان جزیروں سے اسلام کا نام مٹا دیا جائے۔ چنانچہ وہ تو ے فیصد آبادی کو کرستان بنانے میں کامیاب ہو گئے اور فلپائن رومن کیتھولک فرقہ کا مشرق بعید میں ایک گڑھ بن گیا۔ یہ صورت حال آج تک قائم ہے۔ فلپائن آج بھی سپین اور روم کے بعد کرسچین مذہب کا سب سے بڑا مرکز سمجھا جا رہا ہے، جو فضا آپ سپین میں پائیں گے، وہی فضا مجموعی طور پر فلپائن میں بھی آپ کو

نظر آئے گی۔

اس فتنہ ارتداد کے سیلاب سے اگر کوئی دور افتادہ جزیرے جزوی طور پر محفوظ رہ سکتے تھے تو وہ منڈناؤ، ہولو وغیرہ تھے، جہاں نہایت ہی سخت جنگجو عرب نژاد مسلمان قبیلے بستے تھے جن کو اسپین والے ''مورو'' کہتے تھے۔ ان قبیلوں نے نہ تو اپنا مذہب تبدیل کیا نہ حقیقت بھول سکے کہ ان کا تعلق اسلام سے ہے جس کی خاطر وہ سارا وقت لڑتے مرتے رہے۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ ان تین چار سو سال سے ان غریبوں کا اسلامی مراکز سے کوئی تعلق نہیں رہا تھا۔ نہ کوئی ان کے یہاں ان کی راہنمائی یا امداد کے لیے جانے کی زحمت گوارا کرتا تھا نہ یہ خود کسی باہر کے اسلامی ملک سے رابطہ رکھ سکتے تھے مگر پھر بھی وہ اپنے دین اور ایمان پر مستحکم رہتے آئے۔ وہ ہر طاقت (انگریز، امریکی، اسپینی، چینی) سے لڑتے رہے۔ مگر جہاں تک مذہب کا معاملہ رہا، انہوں نے کبھی کسی کی بات نہیں سنی۔ ان کی جدوجہد اب تک جاری وساری ہے۔ پچھلے ۱۸ برس سے وہ اپنی موجودہ کرسچین حکومت سے بھی برسرپیکار ہیں۔ کبھی ادھر جاتے ہیں اور کبھی ادھر، مگر کہیں سے مؤثر طریقہ پر ان کی دستگیری نہیں ہو رہی ہے۔ حالانکہ اسلامی دنیا اب آزاد ہو چکی ہے اور اس وقت ۴۴ سے اوپر آزاد مسلمان ریاستیں دنیا میں دندنا رہی ہیں۔

اس پس منظر میں ہمارے بزرگ حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت مجھے بے انتہا نمایاں نظر آئی۔ میں جب ۱۹۵۷ء میں سفیر بن کر فلپائن پہنچا تو مجھے جاتے ہی محسوس ہونے لگا کہ اس شخصیت نے وہاں کے مسلمانوں کو بیدار اور منظم

کرنے میں اتنا بڑا کام کیا ہوا تھا۔ جو ان سے پہلے نہ کسی مسلمان ریاست سے نہ کسی باہر کے شیخ یا پیر سے ہو سکا تھا ان کا خود تو اس سے پہلے انتقال ہو چکا تھا مگر ان کا نام فلپائن کے حلقوں میں ہنوز گونج رہا تھا۔ گویا وہ اب بھی ان میں موجود ہیں اور روحانی طریقہ سے ان کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ خود پاکستان کے سفیر کو وہاں کے مسلم عوام اس نسبت سے پہچانتے ہیں کہ اس کا تعلق اس ملک سے ہے جہاں سے مولانا صاحب تشریف لائے تھے۔ ہر شخص ان کے روحانی فیوضات بلکہ کرامات کا ذکر کرتے نہیں تھکتا تھا۔ مجھ سے براہ راست پوچھتے رہتے تھے کہ کیا میں نے کبھی ان کی کچھ کرامات دیکھیں؟ جس سے پوچھو وہ خود کوئی نہ کوئی عجیب وغریب بات بتاتا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اسلام کی تبلیغ کا کام انہوں نے اس قدر عقلمندی اور دور اندیشی سے سرانجام دیا تھا کہ ایک طرف تو مقامی مسلمانوں کو وہاں کی سوسائٹی کی دشمنی قبل از وقت مول نہ لینی پڑے اور دوسری طرف ان میں اپنی جگہ پر یہ احساس بھی پیدا ہوتا جائے کہ بطور مسلمان ان کی اپنی علیحدہ شخصیت ہے۔ مجموعی طور پر ان کی یہ کوشش تھی کہ مسلمان پہلے اپنے وجود اور اپنے مقام کو پہچانیں اور منظم ہو کر اسلام کے رشتہ کو پکڑ لیں اور اس کے بعد جو کچھ قدرت کو منظور ہو گا وہ ان سے کروالے گی۔ بہر حال ان کوششوں کا نتیجہ جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ مختصراً یہ تھا:

1. مسلمان کو اپنے مذہب پر فخر ہونے لگا تھا۔
2. ان میں اندرونی تنظیم آگئی تھی۔
3. غیر مسلموں سے ہمسائیگی کی وجہ سے جو غیر اسلامی

رسومات ان میں پھیلنے لگی تھیں وہ مسدود ہو گئی تھیں۔

④ قرآن اور حدیث سے ان کی وابستگی پہلے سے بدرجہا زیادہ بڑھ گئی تھی۔

⑤ مساجد تعمیر ہونے لگی تھیں۔ مدرسے اور مکتب کھولے جا رہے تھے۔ دینی علوم پڑھانے کے لیے اساتذہ اور کتابیں مصر سے منگائی جاتی تھیں۔ دارالحکومت منیلا کی مرکزی مسجد کا سنگ بنیاد خود میں نے اپنے ہاتھوں سے رکھا۔

⑥ ارتداد اور شرک کے دروازے بند ہو گئے تھے۔

پادریوں کی ساری کوششیں بے کار ثابت ہو رہی تھیں۔

(روزنامہ جنگ کراچی، ۲۱ ستمبر ۱۹۸۴)

"مرزائی حقیقت کا اظہار" آپ کی بہترین تصنیف ہے اور عربی زبان میں مصر سے چھپی ہوئی **مرآۃ القادیانیہ** ہے جس کے ترجمہ کی اشاعت کے بعد ملائیشیا میں (قادیانیوں کے خلاف) زبردست تحریک اٹھی اور وہاں مرزائیوں کا داخلہ بند ہو گیا۔

"مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی ﷫ نے ماریشس میں ابھی جہاں مرزائیوں نے اپنا تبلیغی مرکز قائم کر لیا تھا ان کا تعاقب کیا۔ پہلے دورے میں آپ نے مرزائیت اور مرزائیوں کو پوری طرح بے نقاب کیا۔ جس کے نتیجے میں مرزائی اپنی تبلیغی کوششوں میں ناکام ہوئے۔ تاہم ایک مختصر سا گروہ پروفیسر زین العابدین کے تحت محدود پیمانے پر کام کرتا رہا۔ حضرت مولانا عبد العلیم صدیقی کے دوسرے دورے میں پروفیسر زین العابدین نے حضرت مولانا صدیقی سے کئی مباحثے کیے۔ جس کے نتیجے میں پروفیسر زین العابدین نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مرزائیت سے توبہ کی اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور حضرت مولانا صدیقی کے

مرید بن گئے۔ اس طرح ماریشس میں مرزائیت کا زور ٹوٹ گیا۔"

(طارق علی اور حنیف طیب کا مولانا شاہ احمد نورانی سے انٹرویو، ماہنامہ ترجمان اہل سنت کراچی کا ختم نبوت نمبر ۱۹۷۲)

"رد قادیانیت کے سلسلے میں آپ (شاہ عبدالعلیم صدیقی ﷫) کو جتنا بھی خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے۔ ایک سفر میں مرزائیوں کا ایک اشتہار "حقیقت کا اظہار" آپ کو ملا جس میں آپ کو مخاطب کیا گیا تھا۔ آپ نے اس کا مسکت جواب لکھا جسے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ یوں یہ کتاب سفر میں ہی تیار ہو گئی اس کا ترجمہ عربی میں "مرآۃ" اور انگریزی میں کے نام سے ہوا۔"

(قادیانیت کے خلاف علمی جہاد کی سرگزشت صفحہ ۲۱۱)

پندرہ روزہ ندائے اہلسنت لاہور کے لیے مولانا شبیر احمد ہاشمی ﷫ کو ایک انٹرویو میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد مدنی کچھوچھوی نے فرمایا:

"مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی ﷫ کے نقوش ماریشس، جنوبی افریقہ، سرینام، ہالینڈ، بیلجیئم وغیرہ میں تو بہت گہرے ہیں۔ سرینام میں مولانا عبدالعلیم صدیقی اور اُن کے فاضل فرزند حضرت مولانا شاہ احمد نورانی کی خدمات بے مثال ہیں۔ سرینام میں مولانا عبدالعلیم صدیقی کے جانے کا عجیب واقعہ ہوا کہ وہاں قادیانیوں کا غلبہ تھا۔ سرمایہ دار زیادہ تر قادیانی تھے۔ ایک قادیانی نے مولانا صدیقی مرحوم کی (کسی جگہ پر) تقریر سُن لی تو (متاثر ہو کر اپنے ہاں سرینام میں) دعوت دی۔ مولانا نے قبول فرمائی مگر سرینام پہنچنے پر معلوم ہوا کہ یہ تو قادیانی ہے۔ آپ نے اسی وقت علیحدگی اختیار کر لی اور فرمایا میں ہوٹل میں ٹھہروں گا۔ اب وہاں ٹھہر کر مولانا نے جو تبلیغ فرمائی قادیانی امت کی بنیاد ہلا دی۔"

(ندائے اہلسنت لاہور ۱۶ دسمبر سے ۳۱ دسمبر ۱۹۹۲)

خلیفۂ امیر ملت قائد کشمیر مجاہد ختم نبوت

چودھری غلام عباس رحمۃ اللہ علیہ

اسلام کا نظریۂ ختم نبوت اپنی نزاکت اور حساسیت کی بنا پر ہمیشہ مسلمانوں کے لیے دین وایمان کا مسئلہ رہا ہے اور ہر دور میں اکابرین ملت نے اس نظریاتی اساس کا جان پر کھیل کر دفاع کیا ہے۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جس تحریک تحفظ ختم نبوت کی بنیاد میدان یمامہ میں رکھی تھی اہل اسلام نے تاریخ کے ہر موڑ پر اس تحریک کو اپنے خون سے سینچا۔ اس تحریک میں صرف علماء وبزرگان دین ہی نہیں زندگی کے ہر شعبہ نے اپنا اپنا کردار ادا کیا جن میں تعلیمی ادارے، خانقاہیں، دبستان، سماجی شخصیات، ممبران ایوان زیریں، اراکین ایوان بالا، سیاسی راہنما، وکلا اور جج سبھی شامل ہیں۔ سربراہان مملکت میں اس خدمت کے ضمن میں پاکستان کے سربراہ ذوالفقار علی بھٹو اور آزاد کشمیر کے سربراہ خلیفہ امیر ملت قائد کشمیر چودھری غلام عباس مرحوم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آیئے آج غلام عباس مرحوم کے بارے میں تاریخ کے جھروکوں سے کچھ آگاہی پائیں۔

مرحوم ومغفور چودھری غلام عباس

۴ فروری ۱۹۰۴ء کو جموں کے ''قادیانی لاہوری گروپ'' کے ایک پیروکار نواب خان کے گھر پیدا ہوئے آپ کی والدہ سیدزادی، صحیح العقیدہ سنی مسلمان اور امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی مرید ومجاز تھیں۔ رحمۃ اللہ علیہا۔

والدہ نے اپنے بیٹے کو مرزائی شوہر کے ناپاک سائے سے بچانے کے لیے

اپنے بھائی سید اسد اللہ شاہ ایڈووکیٹ کی صحبت میں دے دیا تا کہ اُس کی پرورش ٹھیک اسلامی اصولوں پر ہو سکے اور وقت نے ثابت کیا کہ اُس پاکباز سیدزادی رحمۃ اللہ علیہا کا فیصلہ ٹھیک تھا۔ آپ نے ماموں کی رفاقت میں ابتدائی تعلیمی مراحل طے کیے اور چونکہ سید اسد اللہ شاہ ایک مخیر اور سماجی شخصیت تھے لہٰذا چودھری غلام عباس کی شخصیت پر اُن کا گہرا اثر پڑا اور وہ بچپن ہی میں اسلامی اقدار کا پیکر بن گئے۔

مشن ہائی سکول جموں سے پرائمری تعلیم حاصل کی اور ۱۹۲۱ء میں گورنمنٹ ہائی سکول جموں سے میٹرک کیا۔ ۱۹۲۵ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے بی اے کیا۔ شادی ہوئی اور جموں کے اسلامیہ ہائی سکول میں استاد مقرر ہوئے لیکن کچھ عرصہ بعد وکالت کا شوق لاہور لے آیا۔ ۱۹۳۱ء میں ایل۔ ایل۔ بی۔ کر لیا اور وکالت شروع کر دی۔

وکالت کے ساتھ ہی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ مسلم کانفرنس کی بنیاد رکھی۔ ابتداء میں شیخ عبداللہ بھی آپ کے شریک سفر تھے جو بعد ازاں گاندھی کے فلسفہ سے متاثر ہو کر ہندو نواز اور پکے کانگریسی ہو گئے مگر آپ نظریۂ پاکستان کے طرفدار بلکہ پرچارک بنے رہے اور قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھیوں میں شمار ہوئے۔ ۱۹۴۴ء میں سولہ سترہ جون کو آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے تیرہویں سالانہ اجلاس میں خطاب کرنے کو جب قائد اعظم سری نگر تشریف لائے تو قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے چودھری غلام عباس کو جموں سے سری نگر منتقل ہونے، یہاں وکالت کرنے اور مقامی کشمیری زبان سیکھنے کا مشورہ دیا۔

چودھری غلام عباس نے اپنی والدہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر بیعت کی اور حضرت پیر صاحب نے چودھری صاحب کی والدہ کی طرح انہیں بھی خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ چودھری صاحب عمر بھر روزے نماز اور نقشبندی سلسلے کے وظائف کی پابندی کرتے رہے۔ آپ کے پرائیویٹ سیکرٹری بشیر احمد قریشی اپنی کتاب ''قائد کشمیر'' صفحہ ۲۵۴ پر رقمطراز ہیں۔

''آپ روزانہ صبح ۲ بجے اٹھتے نماز تہجد ادا کرتے نوافل پڑھتے اس

کے بعد اوراد و وظائف خصوصاً ''حزب البحر'' پڑھتے۔ اسی کتاب
میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں زندگی میں چودھری صاحب کی
صرف ۲ تہجد کی نمازیں قضا ہوئیں وہ تب جب کہ آپ کا آپریشن
ہوا کیونکہ آپ تہجد کے وقت بے ہوش تھے۔''

۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۸ء تک چودھری غلام عباس مرحوم حضرت علامہ اقبال ؒ
سے راہنمائی لینے کی خاطر اکثر لاہور آیا کرتے تھے چودھری غلام عباس کے دوست اللہ
رکھا ساغر بھی کئی مرتبہ ہمراہی کا شرف پاتے۔ اللہ رکھا ساغر بیان کرتے ہیں:

''حضرت علامہ کو تحریک آزادی کشمیر کے سلسلے میں چودھری غلام
عباس پر مکمل اعتماد تھا اور چودھری غلام عباس کی حضرت علامہ سے
عقیدت کا یہ عالم تھا کہ جب بھی رخصت ہوتے تو پہلے ان کے
ہاتھوں کو بوسہ دیتے پھر سلام کر کے الٹے پاؤں دروازے تک
جاتے تاکہ علامہ اقبال کو پیٹھ نہ ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قائد
کشمیر کو حضرت علامہ کے روحانی اور سیاسی مرتبہ کا پورا علم تھا۔''

(قائد کشمیر صفحہ ۲۹۸ مطبوعہ پرنٹنگ کارپوریشن آف فرنٹیئر لمیٹڈ)

چودھری صاحب کے اندر دینی غیرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اپنے
مرزائی باپ کو کبھی معاف نہ کیا کیونکہ وہ عقیدہ ختم نبوت کا باغی تھا۔ یہاں تک کہ جب وہ
مرا تو آپ باوجود سری نگر میں موجود ہونے کے اس کے جنازے میں شرکت سے بچنے کی
خاطر نواب بہادر یار جنگ سے ملاقات کے بہانے راول پنڈی تشریف لے گئے۔ آپ
کے پیچھے اس کی آخری رسومات ادا کی گئیں اور آپ بالکل لاتعلق رہے جو آپ کی عقیدہ ختم
نبوت سے غیر متزلزل وابستگی اور ایمان و یقین کی پختگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جب آپ
پنڈی سے واپس سری نگر پہنچے اور لوگوں نے جنازے میں عدم شرکت پر سوالات اٹھائے
تو آپ نے فرمایا: میرے باپ نے چونکہ مرزائیت سے توبہ نہیں کی لہٰذا ایک مسلمان

ہونے کے ناطے میں ان کے جنازے میں شریک نہ ہو سکتا تھا۔

مسلم کانفرنس کے ۲۲ویں سالانہ اجلاس منعقدہ میر پور مارچ ۱۹۵۳ء میں
آپ نے مرزائیوں کے خلاف قرارداد بھی منظور کرائی جو آپ کے شعور ختم نبوت پر واضح
دلیل ہے۔

۱۹۵۳ء میں جب پاکستان میں تحریک ختم نبوت چلی تو آپ نے پنجاب بھر
میں علماء و مشائخ اہل سنت کے قدم بقدم شہر شہر، گاؤں گاؤں، نظریہ ختم نبوت کے تحفظ کے
سلسلے میں بڑے بڑے جلسوں سے خطاب فرمایا۔ ساتھ ہی آپ نے گورنر جنرل پاکستان
غلام محمد اور وزیر اعظم کو اپنے ایک خط میں لکھا:

''مرزائیوں کا مسئلہ کوئی جذباتی نعرہ نہیں۔ یہ نہ صرف پاکستان بلکہ
عالم اسلام کے لیے ایک سنگین مسئلہ ہے۔ میں تجویز کرتا ہوں کہ
مفتی اعظم فلسطین جناب الحاج امین الحسینی، سعودی عرب، عراق،
مصر، ایران اور پاکستان کے علماء کے علاوہ حکومت کے نمائندوں
پر مشتمل کنونشن میں اس مسئلے پر مفصل بحث و تمحیص کے بعد اس
کنونشن کے فیصلوں اور سفارشات کو تسلیم کیا جائے۔''

الغرض قائد کشمیر ؒ نے ہر سطح پر اہل اسلام کے متفقہ نظریہ ختم نبوت کے تحفظ
اور فروغ کے لیے اپنی خدمات جاری رکھیں اُن کی بے لوث خدمات ہی کی برکت سے
کشمیر دستور ساز اسمبلی نے آگے چل کر پاکستانی قومی اسمبلی سے بھی پہلے قادیانیوں کو مرتد
قرار دے دیا تھا۔

تحفظ ختم نبوت کی قانونی جنگ کے مجاہد اوّل

حضرت امام احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ

بابائے غلط بیانی مرزا غلام قادیانی آنجہانی کے دعوائے نبوت کے ساتھ ہی اہل اسلام نے اس کا شدید زبانی وقلمی رد شروع کر دیا تھا اور اس عمل میں تمام چھوٹے بڑے مسلم رہنما شامل تھے خاص طور پر اتر پردیش میں امام احمد رضا اور ان کے بڑے بیٹے مولانا حامد رضا، مشرقی پنجاب میں مولانا نواب الدین رمداسی، مغربی پنجاب میں مولانا غلام قادر بھیروی اور شمالی پنجاب میں پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

قیام پاکستان سے قبل یہ نظریاتی جنگ مناظروں، کتابوں، رسائل اور اخبارات کے محاذ پر لڑی جا رہی تھی۔

حضرت امام احمد سعید کاظمی امروہہ سے پڑھ کر نئے نئے فارغ ہوئے تھے اور اسلام کے پر جوش مبلغ تھے۔ اس دور میں آپ ایک ہندو پنڈت سے ''سات جنم'' کے موضوع پر مناظرہ جیت چکے تھے اور شہرت حاصل کر چکے تھے۔ ایک روز آپ قادیان جا پہنچے اور قادیانیوں کے مبلغین سے مناظرہ کر کے انہیں ان کے گھر میں شکست سے دوچار فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں۔

''ابھی میں کمسن تھا اور میری داڑھی بھی نہیں اتری تھی کہ میں قادیان گیا اور قادیانی علماء سے مناظرہ کیا۔ میں نے ان سے کہا کہ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اور گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک مکان بنایا۔ فاکملھا فاحسنھا۔

اس نے اسے مکمل اور حسین بنایا مگر اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی لوگ اس

گھر میں داخل ہوتے ہیں اور اس کے حسن تعمیر پر تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کاش یہ اینٹ کی جگہ خالی نہ ہوتی۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں وہی اینٹ ہوں۔ میں نے قادیانی علماء سے پوچھا کہ نبوت کی عمارت میں فقط ایک اینٹ کی گنجائش تھی جسے حضور سید عالم ﷺ نے پُر کیا اب تم بتاؤ کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو کہاں ڈالو گے؟

وہ سب سوچ میں پڑ گئے۔ پھر ان میں سے ایک بولا۔ عزیز بات یہ ہے کہ جب عمارت بنائی جاتی ہے تو اس کا پلستر بھی کیا جاتا ہے تو ہم مرزا صاحب کا پلستر کر دیں گے۔ میں نے کہا کہ تم مرزا صاحب کا پلستر نہیں کر سکتے سرکار ﷺ نے فرمادیا فاکملھا بنانے والے نے عمارت کو مکمل کر دیا اور پلستر کے بغیر عمارت مکمل نہیں ہو سکتی۔

پھر ایک اور نے ہمت کی اور کہنے لگا کہ دیکھو۔ عزیز ٹھیک ہے کہ پلستر کے بغیر عمارت مکمل نہیں ہوتی مگر عمارت کا رنگ وروغن بھی تو کیا جاتا ہے۔ تو ہم مرزا صاحب کا رنگ وروغن کر دیں گے۔ میں نے کہا کہ تم مرزا صاحب کا رنگ وروغن بھی نہیں کر سکتے کیونکہ میرے آقا ﷺ نے فرمادیا ہے فاحسنھا کہ بنانے والے نے عمارت کو حسین وجمیل بنا دیا اور عمارت کا حسن رنگ و روغن سے ہی ہوتا میرے اس استدلال نے ان کا ناطقہ بند کر دیا'' (مفتی محمد ابراہیم، ماہنامہ السعید، شمارہ خاص امام اہل سنت نمبر 2000)

قیام پاکستان کے بعد قانونی محاذ پر تحفظ ختم نبوت کی جنگ حضرت امام احمد سعید کاظمی نے شروع کی۔ جبکہ آپ پاکستان مسلم لیگ صوبہ پنجاب کی مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ 1952ء کو مسلم لیگ صوبائی کونسل کے اجلاس میں آپ نے یہ مسئلہ اُٹھایا۔ اور بڑی شدومد کے ساتھ یہ قرارداد منظور کرائی۔ کہ قادیانیوں کو کافر مرتد قرار دیا جائے اور انہیں کلیدی عہدوں سے برطرف کیا جائے۔ یہی وہ نقطہء آغاز تھا جس کی بنا پر اہل سیاست وحکومت تک یہ موثر آواز پہنچی اور بالآخر 22 سال کی جدوجہد کے بعد 1974ء میں قادیانی کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے کافر اور مرتد قرار

دیا۔ قومی اسمبلی میں یہ تحریک مولانا شاہ احمد نورانی نے پیش کی اور بھاری اکثریت سے منظور کرائی۔ البتہ دیوبندی فرقے کے دو ممبران اسمبلی غلام غوث ہزاروی اور عبدالحکیم نے اس قرارداد کی تائید و حمایت نہ کی۔

خانیوال کے مولانا محمد حنیف اختر مدظلہ اپنی کتاب ''گلدستہ تقاریر'' کے صفحہ پر لکھتے ہیں۔

''جسٹس منیر انکوائری رپورٹ صفحہ ۹۷ میں یہ تحریر موجود ہے کہ قیام پاکستان کے بعد قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی سب سے پہلی قرارداد مسلم لیگ کی صوبائی کونسل کے اجلاس میں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی صاحب نے پیش کی تھی''۔ 1952ء میں منعقد ہونے والے مسلم لیگ کے کس اجلاس میں آپ نے جو قرارداد پیش کی۔ اُس قرارداد میں مسلم لیگی اکابرین سے کہا گیا تھا۔ کہ وہ قادیانیت کے مضمرات اور ان کی اسلام دشمن کاوشوں سے باخبر رہیں۔ اور انگریز کے پیدا کئے ہوئے اس فتنے کے استقبال کے لئے تمام صلاحیتیں بروئے کار لائیں۔ اس قرارداد کا مقصد یہ تھا کہ اگر پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کرنا ہے تو ہمیں عظمت رسول ﷺ کو ہر پہلو سے مقدم رکھنا ہوگا۔ اسلام حضور ﷺ کی ذات اقدس سے عبارت ہے۔ اور آپ کی ختم نبوت کا مسئلہ حل کئے بغیر ملک میں نظام مصطفیٰ کا نفاذ ممکن نہیں ہے۔ 1953ء میں جب تحریک تحفظ ختم نبوت نے زور پکڑا اور اس میں بہت سے مسلمانوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے۔ تو حضور غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ اس وقت جمعیت علمائے پاکستان کے ناظم اعلیٰ تھے اور حضرت قبلہ علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ اس کے صدر تھے اس موقع پر مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کے لئے ایک تنظیم ''متحدہ مجلس عمل'' تشکیل دی گئی جس کے امیر متفقہ طور پر حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ چنے گئے۔ اس تنظیم نے وہ تمام نکات بطور قرارداد منظور کر لئے جو حضرت قبلہ غزالی زماں اس سے پہلے مسلم لیگ کی کونسل کے اجلاس میں پیش کر چکے تھے جن میں دیگر مطالبات کے ساتھ یہ تین اہم مطالبے بھی شامل تھے۔

(۱) مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ (۲) چوہدری میر ظفر اللہ کو جو قادیانی ہے وزیر خارجہ کے عہدے سے ہٹایا جائے۔ (۳) قادیانیوں کو ملک کے تمام اہم کلیدی عہدوں سے برطرف کیا جائے۔

امام اہل سنت نے اس تحریک کے دوران جگہ جگہ دورے کئے اور متعدد جلسوں سے خطاب کیا آپ کی خطابت انگریز کے خود کاشتہ پودے قادیانیت کی سرکوبی کیلئے وقف تھی۔ غرضیکہ حضور غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ تحریک تحفظ ختم نبوت کے بانی ہیں اور آپ کا یہ عظیم کارنامہ تاریخ کے صفحات پر رقم ہے اور ہمیشہ ہمیشہ آفتاب نیم روز کی طرح درخشاں رہے گا''۔ (گلدستہ تقاریر، مطبوعہ صراط مستقیم پبلی کیشنز)

روزنامہ نوائے وقت لاہور اپنی 8 ستمبر 2005ء کی اشاعت میں ادارتی صفحہ پر رقمطراز ہے ''50 کی دہائی کے شروع میں جب قادیانی شتر بے مہار بنے اور اسلام و پاکستان کے خلاف سازشوں کا جال بچھانے لگے تو اہل ایمان عشق رسول ﷺ کے جذبہ سے سرشار ہو کر تن من دھن کی بازی لگانے کیلئے میدان عمل میں اتر پڑے۔ 1952ء میں مسلم لیگ صوبہ پنجاب کی مجلس عاملہ کے رکن حضرت امام احمد سعید کاظمی نے مسلم لیگ کے اجلاس میں قادیانیوں کے خلاف سب سے پہلی قرارداد منظور کروائی اور قادیانیون کو ملک کے اہم اور کلیدی عہدوں سے ہٹانے کا مطالبہ کیا''۔ (ماہنامہ کنزالایمان، لاہور ستمبر 2007ء۔ بشکریہ نوائے وقت لاہور، 8 ستمبر 2005)

ختم نبوت کے حوالے سے صادق علی زاہد نے سوالاً جواباً ''عقیدۂ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت'' کے نام سے ایک بہت قیمتی اور معلومات افزا کتاب مرتب کی ہے آپ اس کتاب کے صفحہ 116 (طبع جدید) پر لکھتے ہیں۔

سوال: کن بزرگ عالم دین نے پنجاب مسلم لیگ کے اجلاس میں قرارداد پیش کی تمام قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کی غرض سے ظفر اللہ خاں کو اُس کے عہدے سے ہٹایا

جائے۔

جواب: علامہ سید احمد سعید کاظمی ممبر مجلس عاملہ صوبائی مسلم لیگ

(بحوالہ منیر انکوائری، رپورٹ، ص ۹۷)

غزالی زماں رازی دوراں رحمہ اللہ تعالیٰ نے عمر بھر عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور ردِ قادیانیت کے سلسلے میں نہایت اہم خدمات سرانجام دیں۔ غزالی زماں رازی دوراں رحمہ اللہ تعالیٰ نے 11 جون 1952ء کو صوبائی مسلم لیگ کے اجلاس میں پیش کرنے کیلئے ایک قرارداد بھیجی جس پر خواجہ عبدالحکیم صدیقی صدر سٹی مسلم لیگ ملتان اور صوفی عبدالغفور لدھیانوی آفس سیکرٹری مسلم لیگ ضلع ملتان نے تائیدی دستخط کئے تھے۔

قرارداد کے الفاظ یہ تھے:

☆ کہ قادیانی بالاتفاق خارج از اسلام سمجھے جاتے ہیں اس لئے ان کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور حکومت کو اس اعلان میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔

☆ چونکہ چوہدری ظفر اللہ (اس وقت کے وزیر خارجہ) قادیانی ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے نمائندہ نہیں ہیں۔

☆ صوبہ پنجاب کی مسلم لیگ کونسل کو حکومت سے مطالبہ کرنا چاہئے کہ انہیں اپنے عہدے سے برطرف کر دیا جائے۔ پاکستان کی سیاسی وتہذیبی زندگی کے مبصرین کا کہنا ہے کہ اگر یہ قرارداد اس وقت منظور کر لی جاتی تو قادیانیت کا مسئلہ اس وقت حل ہو جاتا اور قادیانی عناصر بعد کے ادوار میں جس طرح قوت پکڑ کر اس مملکت خداداد کو نقصان سے دوچار کیا وہ پیش نہ آتے۔ مگر افسوس کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ اس قرارداد کو مسلم لیگی زعماء نے خاطر خواہ پذیرائی نہ بخشی اس سے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کو اندازہ ہو گیا کہ یہ مسلم لیگ وہ نہیں رہی جو حضرت قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں اسلامی نظام کے نفاذ کا پروگرام لے کر چلی تھی

(حیات غزالی زماں: مصنف حافظ امانت علی سعیدی، ص ۶۳، مطبوعہ ختم نبوت فاؤنڈیشن، کاہنہ نو،

لاہور، بحوالہ سردار محمد اکرم بُٹر، ماہنامہ السعید)

1953ء میں سیالکوٹ کے ایک مضافاتی علاقے ''ملکے کملاں'' میں مرزائیوں کا کافی زور تھا۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ علاقہ مرزائی اسٹیٹ بنا ہوا تھا اور یہاں پر مرزا قادیانی کو ''حضرت صاحب'' کے علاوہ پکارنا جرم تھا۔

حضور غزالی زماں کو اس بات کا علم ہوا تو آپ کو بڑا دکھ ہوا آپ نے اس علاقے کی ایک چھوٹی سی مسجد میں ''جلسہ ختم نبوت'' رکھوایا جس میں خطاب کرنے کے لئے آپ خود تشریف لے گئے۔ جلسہ میں مقامی علماء میں سے ایک مولانا صاحب نے تقریر شروع کی تو ایک مرزائی چوہدری ریوالور اُٹھائے جلسہ گاہ میں پہنچ گیا۔ اور ریوالور تان کر کہا۔ مولوی صاحب جو تقریر کرنا چاہو کر لو لیکن ہمارے مرزا صاحب کے خلاف کوئی بات نہ کرنا ورنہ تمہارا سینہ گولیوں سے چھلنی کر دوں گا۔ وہ مرزائی چوہدری علاقے میں ایک مشہور بدمعاش کے طور پر مانا جاتا تھا۔ اس نے جب بھرے مجمع میں یہ دھمکی دی تو تقریر کرنے والے مولانا صاحب کی قوتِ گویائی جواب دے گئی اور وہ ادھر اُدھر کی باتوں سے مجمع کو بہلانے لگا۔

حضور غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ منظر دیکھا تو برداشت نہ کر سکے اور مولانا کی تقریر بند کرا کے خود اسٹیج پر تشریف لائے اور مختصر عربی خطبہ کے بعد ارشاد فرمایا کہ مسلمانو! پورے ہوش وحواس کے ساتھ سنو۔ یہ میرے اور آپ کے ایمان کا مسئلہ ہے۔ میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ جو شخص بھی حضور نبی کریم ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر، مرتد اور بے ایمان ہے۔ اسی لئے مرزا قادیانی بھی کافر و مرتد ہے اور جو اس کا کافر مرتد نہ سمجھے وہ بھی کافر اور قطعی کافر ہے۔

اس عقیدے کے بیان کرنے پر چوہدری مجھے گولی مارنا چاہتا ہے تو احمد سعید کاظمی کا سینہ حاضر ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنا سینہ ننگا کر کے فرمایا۔ مار گولی میں دیکھتا ہوں کہ تو کتنا بہادر ہے۔ تیرا گروہ تو بہت بزدل تھا۔ تو کہاں سے بہادر نکل آیا ہے۔ تیرا مرزا خبیث انگریز کا پٹھو اور

اس کا ٹوڈی تھا۔ تم بھی اس کے ٹوڈی ہو۔ انگریز کے جوتے چاٹ چاٹ کر دنیا بناتے اور ایمان گنواتے ہو۔

پھر فرمایا کہ ''کیا ہم ٹوڈی اور انگریزی نبی کو مانیں'' حاضرین بولے: نہیں نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ قرآن وحدیث اور اجماع اُمت سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ ہمارے آقا ومولیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ عزوجل کے آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا، کذاب اور بے ایمان ہے۔ مسلمانو! اپنے ایمانوں کو بچاؤ۔

حضور امام اہل سنت کاظمی سرکار رحمۃ اللہ علیہ نے جس جرأت سے یہ تقریر فرمائی یہ صرف آپ ہی کی شان تھی ورنہ ایسے موقعوں پر بڑے بڑے کے پتے پانی ہو جاتے ہیں۔ آپ جب دلائل وبراہین کے ساتھ مرزائیوں پر برسنے لگے تو اس مرزائی چوہدری کے ہاتھ لٹک گئے اور لوگوں نے اُسے پکڑ لیا اور اس کی ساری چوہدراہٹ خاک میں ملا دی۔

آپ کے خطاب کی تاثیر سے کئی مرزائی آپ کے دستِ اقدس پر تائب ہو کر حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے اور اب اُس علاقے میں کوئی مرزائی نظر نہیں آتا۔ (گلدستہ تقاریر، صراط مستقیم پبلی کیشنز)

صاحبزادہ افتخار الحسن رحمۃ اللہ علیہ

صاحبزادہ افتخار الحسن 1923ء میں سیالکوٹ کے گاؤں الہڑ میں پیدا ہوئے یہ وہی ''الہڑ'' ہے جس کی لوری پنجاب کے بچے بڑے شوق سے گاتے ہیں ''الہڑ بلہڑ باوے دا باوا کنک لیاوے گا باوی بہہ کے چھٹے گی سوروپیہ ٹے گی''۔

آپ والد ماجد حضرت مولانا محمد مسعود اپنے وقت کے بڑے زبردست مناظر تھے اور فاتح مرزائیت وعیسائیت کے القاب سے جانے جاتے تھے اور طریقت میں حضرت شاہ لاثانی پیر سیّد جماعت علی شاہ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید وخلیفہ تھے۔

صاحبزادہ افتخار الحسن لڑکپن میں کبڈی کے بڑے نامور کھلاڑی تھے آپ خود لکھتے ہیں۔

''مخالف نوجوان کے سر سے چھلانگ لگا کر نکل آنا میرا خاص فن تھا۔ میرا ریکارڈ تھا کہ سات سال کے عرصے میں نہ مجھے کسی نے پکڑا تھا اور نہ ہی کوئی مجھ سے نکل کر گیا تھا۔ تحصیل پسرور کے سالانہ ٹورنمنٹ میں میں نے 24 فٹ 3 انچ لمبی چھلانگ لگائی۔ کیا پتہ تھا کہ یہی کھیل اولمپک بن کر بین الاقوامی حیثیت اختیار کر جائیں گے ورنہ آج دوڑ اور چھلانگ میں پاکستان کا ریکارڈ ہوتا اور سینکڑوں طلائی تمغے میرے پاس ہوتے''۔

آپ دن بدن کھیل کے میدان میں شہرت پذیر ہو رہے تھے اور آپ کے والد آپ کو اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ ایک دن جب حسب معمول مولانا سید محمد مسعود اپنے شیخ طریقت کے آستانہ عالیہ پر حاضری کو جانے لگے تو نو عمر افتخار الحسن کو بھی ساتھ لے لیا اور یہی دن آپ کی تقدیر بدلنے کا دن تھا۔

آستانہ عالیہ کا روحانی ماحول، حضرت شاہ لاثانی کی صحبت کا اثر، تہجد کا وقت اور مقبولیت کی گھڑی، مولانا محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ طریقت سے عرض پرداز ہوئے کہ حضور افتخار کو بھی اپنی غلامی میں داخل کر لیجئے۔ حضرت نے داخل سلسلہ کیا اور توجہ فرمائی جو سلسلہ نقشبندیہ کا خاصہ ہے۔ بس پھر کیا تھا نوجوان کھلاڑی راہِ طریقت کا سالک بن گیا اور مرشد کی زلف گرہ گیر کا ایسا اسیر ہوا کہ حالات کے طوفان اور مصائب کے پہاڑ اسے اپنے راستے سے نہ ہٹا سکے۔ ذات بے نیاز کی حکمتیں بھی کتنی عجیب ہیں ادھر مرشد کامل کا دامن نصیب ہوا اور ادھر شفقت پدری کا سایہ سر اسے اٹھ گیا۔

والد صاحب کے وصال کے بعد آپ کے اندر احساس ذمہ داری پیدا ہوئی تو آپ نے علم دین حاصل کرنے کے لئے سفر شروع کیا ابتداً آپ نے شاہ کوٹ کے قریب ایک چھوٹے سے قصبے میر پور میں حضرت مولانا سید احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی اختیار کی اور سال بھر انتہائی .... کے ماحول میں مجاہدہ و ریاضت کے ساتھ ابتدائی کتابیں صرف بہائی اور نحو وغیرہ پڑھیں۔

بعد ازاں اندرون دہلی دروازہ لاہور میں مفتی اعظم پاکستان ابوالبرکات سید احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں کچھ عرصہ پڑھا حزب الاحناف میں پڑھائی کے دوران ہی آقا بیدار بخت کے نائٹ کالج سے منشی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا۔ پھر کچھ کتابیں جامعہ نعمانیہ میں پڑھیں۔ پھر جامعہ فتحیہ اچھرہ میں ملاحسن، ملا جلال، میر زاہد، صدرہ، مقامات حریری، مشکوٰۃ شریف اور تفسیر جلالین، شیخ الحدیث مولانا غلام رسول رضوی اور حضرت مولانا مہر محمد رحمۃ اللہ علیہما سے پڑھیں اور دورہ حدیث صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی سے جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں پڑھا۔ مراد آباد کے قیام کے دوران شاعری سے بھی شغف فرماتے رہے اور طرحی اور غیر طرحی مشاعروں میں کلام پڑھتے رہے بعد حالات نے مشق سخن جاری نہ رہنے دی لیکن اس دور میں جگر مراد آبادی تک سے داد پائی۔ دورہ حدیث کی تکمیل پر مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی نے دستار فضیلت

باندھی اور سند عطا فرمائی اس موقع پر محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے۔ جب آپ دورہ حدیث کر کے فارغ ہوئے تو تحریک پاکستان اپنے آخری اور فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہو چکی تھی آپ نے تحریک میں بڑے جوش و جذبے سے حصہ لیا اور مسلم لیگ میں مختلف عہدوں پر رہ کر کام کیا اور ساتھ ہی جلسوں میں خطابت کے جوہر بھی دکھائے۔

قیام پاکستان کے بعد جس طرح مسلم لیگ محلاتی سازشوں کا شکار ہوئی وہ ہماری تاریخ کا شرمناک باب ہے لہلہاتے وزارت کے مجنونوں نے جس طرح اسلام اور ۲ قومی نظریہ سے غداری کی اس نے اہل حق کو مسلم لیگ سے دامن بچانے پر مجبور کر دیا۔ دیگر علمائے اہل سنت کی طرح آپ بھی حکومتی ٹولے کے سامنے کلمہ حق کہنے کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔ وہی صاحبزادہ افتخار الحسن جو چند سال پہلے پاکستان کے حق میں دھواں دار تقریریں کر کے لوگوں سے مسلم لیگ کے ووٹ مانگا کرتے تھے اب مسلم اور اس کے کرتا دھرتا سیاستدانوں کے خلاف کھل کر سامنے آ چکے تھے۔ اس دور کی ایک یادگار تقریر سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں جس سے صاحبزادہ افتخار الحسن کے اندر کے درد و کرب کا پتہ ملتا ہے۔

☆ "اسلام کے نام پر پاکستان حاصل کر کے اسلام سے غداری کرنے والو۔ اب اسلام تمہارے دروازے پر دستک دے رہا ہے کہ میری عظمت کے پرچم بلند کرو۔

☆ دین تمہارے دامن پکڑ کر فریاد کر رہا ہے کہ میری سربلندی کا نعرہ لگا کر وزارت کی کرسیوں پر بیٹھنے والو میری آبرو کی چادر چھننے سے بچاؤ۔

☆ قرآن پاک تمہاری کوٹھیوں کے ریشمی پردوں سے لپٹ کر رو رہا ہے کہ میرا نظام نافذ کرنے کا وعدہ کر کے اقتدار کی گدیوں پر بیٹھنے والو میرے نظام کو نافذ کر کے میری عزت کا سورج طلوع کرو۔

☆ کیا دس لاکھ مسلمان اس لئے شہید ہوئے تھے کہ تم اُن کے خون سے اپنی کوٹھیوں اور بنگلوں میں رنگ و روغن کر سکو۔

☆ کیا پچاس ہزار مسلمان عورتوں کی عصمت و آبرو کے فانوس اس لئے بجھے تھے کہ تم آتش بازی کے نظاروں سے لطف اندوز ہوسکو۔

☆ کیا ہماری لاکھوں بہنوں اور بیٹیوں کے سہاگ اس لئے اجڑے تھے کہ تم عزت گاہوں میں شراب کے دور چلاسکو۔

☆ کیا مسلمانوں نے تمہیں اس لئے ووٹ دیئے تھے کہ تم ثقافت کے نام پر عیاشی، فحاشی اور عریانی پھیلاسکو۔

☆ کیا ہزاروں معصوم بچے اس لئے نیزوں پر چڑھے تھے کہ تم کلبوں میں رقص وسرود کی محفلیں سجاسکو''۔

یہ تقریر طارق آباد فیصل آباد کی جامع مسجد میں ہوئی جہاں آپ جمعہ پڑھایا کرتے تھے اور یہ دور تھا 1949ء کا۔

اس تقریر نے ایک طرف تو عوام میں بے پناہ جوش وخروش پیدا کردیا اور دوسری طرف حکومت کے ایوانوں میں زلزلہ برپا کردیا۔حکومتی اہلکار اور قانون دونوں حرکت میں آئے اور ایک معینہ مدت کے لئے جبراً اور قانوناً آپ کی زبان بندی کردی گئی۔

یہ دستور زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

یہ حکومت اور صاحبزادہ افتخار الحسن کا پہلا ٹکراؤ تھا اور پھر یہ سلسلہ ''جرم وسزا'' ساری زندگی چلتا رہا نہ کبھی صاحبزادہ افتخار الحسن نے اپنے موقف اور لہجہ میں تبدیلی کی اور نہ کبھی انگریز کے کالے قانون نے انہیں معافی دی۔

1953ء میں جب نظریہ ختم نبوت کے دفاع میں تحریک چلی اُس میں بھی آپ نے قائدانہ کردار ادا کیا۔

ایک موقع پر میانوالی جیل (جسے پاکستان کا کالا پانی کہا جاتا ہے) میں پابند سلاسل کچھ

نوآموز اور نوجوان علماء، دینی کارکن اور مدارس کے معصوم طلباء حکومت کے وحشیانہ تشدد سے دلبرداشتہ ہوکر ہمت ہار بیٹھے تو صاحبزادہ افتخار الحسن ہی تھے جنہوں نے ان ناتجربہ کاروں کو سنبھالا دیا اور ان کی تربیت کی اور انہیں حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے واقعات قید وبند سنا سنا کر نیا حوصلہ اور ولولہ بخشا اور جیل میں اُن کا غم غلط کرنے کے لئے نعت خوانی اور قوالی وغیرہ کا اہتمام کرکے آسانیاں پیدا کیں۔تحریک تحفظ ختم نبوت میں آپ نے ایک سال میانوالی جیل میں اور 2 ماہ لاہور..............کاٹے جو اس دور کے بدترین قید خانے تھے۔

لاہور میں شاہی قلعہ کی قید کے دوران آپ کو آپ کے مرشد گرامی حضرت پیر سید علی حسین شاہ نقش لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی اور آپ نے خواب میں آکر رہائی کی خوشخبری سنائی۔

80 کی دہائی کے آخر میں بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھ چکے تھے خطابت کی مصروفیات اور سیاست وقیادت کی سرگرمی بھی ماند پڑ چکی تھی 1989ء میں ملعون سلمان رشدی نے آقا کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کی تو آپ کی غیرت ایمانی اور جوش عشق کے باعث جوانی کی توانائی عود کرآئی آپ نے بستر مرگ سے گستاخ سلمان رشدی کو للکارتے ہوئے کتاب ''گستاخ رسول کی سزا'' لکھی جو آپ کے عشق رسول کی منہ بولتی تصویر بھی ہے اور آپ کی زندگی کا آخری معرکہ بھی۔

آپ کی وفات حسرت آیات پر صاحبزادہ طارق محمود (دیوبندی) نے اپنے زیرادارت نکلنے والے ماہنامہ ''لولاک'' میں آپ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔

''صاحبزادہ سیّد افتخار الحسن شاہ ایک عظیم عوامی خطیب تھے۔ بریلوی مکتب فکر میں صاحبزادہ سیّد فیض الحسن شاہ کے بعد بلاشبہ وہ بڑے خطیب تھے۔مرحوم سالہا سال سے ختم نبوت کانفرنس چنیوٹ اور پھر ربوہ میں شریک ہوا کرتے تھے۔مرحوم آخری مقرر کی حیثیت سے اسٹیج پر جلوہ گر ہوتے اور پھر اس طرح چھا جاتے کہ ان کی خطابت کے سامنے کسی کا چراغ نہ جلتا۔شاہ صاحب شوگر کے عارضہ کے باعث چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے سے معذور تھے۔انہیں معذوری کی یہ

تکلیف گذشتہ دو برس سے تھی لیکن اس کے باوجود آپ ربوہ ختم نبوت کانفرنس میں شریک ہوا کرتے تھے۔شاہ صاحب کے ایک خادم اور رفیق نے بتایا کہ ایک دفعہ سفر سے واپس آ رہے تھے کہ راستہ میں آپ نے فرمایا میں چلنے پھرنے سے معذور ہوں۔ دعا کرو اللہ تعالیٰ زبان سے معذور نہ فرمائے تاکہ میں اس کی حمد و ثناء اور اس کے حبیب ﷺ کی تعریف و توصیف بیان کرتا رہوں۔

صاحبزادہ سیّد افتخار الحسن شاہ بلاشبہ بڑے عوامی خطیبؒ تھے۔ لیکن آپ کی خطابت، شجاعت سے عبارت تھی۔ دور ایوبی میں ملک امیر محمد خان مغربی پاکستان کے گورنر تھے۔ صاحبزادہ صاحب نے ایک آمر اور جابر گورنر کے بارے میں کہا ”گورنر کی مونچھوں سے بغاوت ہو سکتی ہے۔ محمد ﷺ کی زلفوں سے بغاوت نہیں ہو سکتی“۔ صرف اتنی بات پر شاہ صاحب کو شاہی قلعہ دیکھنا پڑا تھا۔ آپ نے ہر دور میں کلمۃ الحق بلند کیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔......

1953ء کی تحریک ختم نبوت میں مرحوم نے بڑی جگرداری اور بہادری سے حصہ لیا۔ فیصل آباد سے رضا کاروں کا جو قافلہ روانہ ہوا تھا، شاہ صاحب نے اس کی قیادت فرمائی۔ روانگی سے پہلے شاہ صاحب کو ایک بڑے جلوس کی صورت میں ریلوے اسٹیشن تک لایا گیا۔ ریلوے اسٹیشن کے باہر صاحبزادہ صاحب نے تانگے پر کھڑے ہو کر ایک ولولہ انگیز تقریر فرمائی۔

صاحبزادہ سیّد افتخار الحسن شاہ نے اپنی تصنیف ”زندگی“ میں لکھا ہے کہ میری شفاعت اور بخشش کے لئے 1953ء کی تحریک میں اسٹیشن والی تقریر ہی کافی ہے۔ منیر انکوائیری رپورٹ میں صاحبزادہ سیّد افتخار الحسن شاہ کی اس تقریر کا ذکر موجود ہے۔ جس میں اعتراف کیا گیا ہے کہ اس تقریر نے پورے شہر میں آگ لگا دی تھی۔ آپ نے مختلف جیلوں میں ساڑھے تین سال قید کاٹی۔

اگرچہ مرحوم بڑے خوش پوش، خوش خوراک اور نفیس الطبع انسان تھے لیکن اس کے باوجود نہایت پامردی اور جوانمردی سے اس طرح جیل کاٹی کہ مرحوم کے پائے ثبات میں لغزش تک نہ آئی۔

آخری ایام میں شاہ صاحب مرحوم کا جسم مختلف عوارض کا ہسپتال بن گیا تھا۔ شوگر کے عارضہ کے باعث مرحوم چلنے پھرنے سے معذور تھے لیکن آپ نے اپنے حلقہ احباب سے رابطہ

رکھا۔ جلسوں، کانفرنسوں اور عوامی اجتماعات سے خطاب کرتے رہے۔ تقریر کے آغاز میں کہا کرتے تھے ”میں کونجوں کی ڈار سے بچھڑی ہوئی کونج ہوں۔ جب کونج ڈار سے بچھڑ جائے تو روتی نہیں بلکہ کرلاتی ہے۔ رونا اور ہے، کرلانا اور ہے“۔

صاحبزادہ سیّد افتخار الحسن شاہ ایک تاریخ ساز، عہد آفرین شخصیت تھے۔ مرحوم بے پناہ خوبیوں اور کمالات کے مالک تھے۔ راقم کو انہیں بہت قریب سے دیکھنے اور ان کی شخصیت کو پڑھنے کا موقع ملا۔

15 جولائی بروز جمعرات بعد نماز عصر صاحبزادہ سیّد افتخار الحسن شاہ کا جنازہ اٹھایا گیا تو ہر آنکھ اشکبار تھی۔ صاحبزادہ صاحب کے معتقدین زار و قطار رو رہے تھے۔ جنازہ مسلم ہائی سکول طارق آباد کی گراؤنڈ میں پہنچا تو انسانوں کا جم غفیر موجود تھا۔ ملک کے دور دراز علاقوں سے علمائے کرام اور شاہ صاحب کے مریدین نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ شیخ الحدیث مولانا غلام رسول رضوی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بعد ازاں صاحبزادہ سید افتخار الحسن کو جامع مسجد الفردوس منصور آباد میں جہاں مرحوم نے سالہا سال خطابت کے فرائض سرانجام دیئے تھے۔ اپنی والدہ ماجدہ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ شاہ صاحب کی تدفین کے وقت رقت آمیز مناظر دیکھے گئے۔

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہل وطن
یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

صاحبزادہ افتخار الحسن مرحوم نے اپنی خود نوشت زندگی کے نام سے لکھی ہے جسے نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی نے شائع کیا ہے۔ آیئے اس آپ بیتی سے حضرت کی انقلابی جدوجہد اور خوبصورت طرز تحریر سے محظوظ ہوں:

”مختلف العقائد اور مختلف الخیال علمائے کرام کا ایک اجتماع لاہور میں ہوا جس میں متفقہ طور پر اہل سنت و جماعت بریلوی کے مشہور و معروف جید اور متبحر عالم دین، (خلیفہ اعلیٰ حضرت) حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری ؒ کو تحریک ختم نبوت کا امیر مقرر کر کے مسلمانوں کے متفقہ مطالبات منظور کرنے کا حکومت پاکستان کو ایک ماہ

کا نوٹس دے دیا گیا۔ بصورت دیگر سول نافرمانی کی تحریک چلانے اور راست اقدام کرنے کی دھمکی بھی دے دی گئی۔ مطالبات یہ تھے:

1. مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔
2. سر ظفر اللہ خاں مرزائی کو وزارت خارجہ سے علیحدہ کیا جائے۔
3. مرزائیوں کو کلیدی اسامیوں سے ہٹایا جائے۔

چونکہ یہ تینوں مطالبات خالص مذہبی، دینی اور مسلمانوں کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت سے تعلق رکھتے تھے اس لیے ملک میں جلسے اور جلوس شروع ہو گئے جن میں لاکھوں کی تعداد میں فرزندان اسلام جمع ہوتے اور ''تخت و تاج ختم نبوت زندہ باد'' اور ''مرزائیت مردہ باد'' کے فلک شگاف نعرے لگائے جاتے۔

ایک ماہ گذر گیا مگر اسلامی حکومت نے مسلمانوں کے مطالبات کی طرف کوئی توجہ نہ دی آخر کار تحریک ختم نبوت شروع ہو گئی۔ جلسے، جلوس، مظاہرے پکڑ دھکڑ اور گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ لاہور کی تاریخی جامع مسجد وزیر خان (اہل سنت بریلوی) کو تحریک کا مرکز بنایا گیا۔ رضا کاروں کے قافلے گرفتار ہونے کے لیے اور شمع ختم نبوت کے پروانے شمع ناموس رسالت پر جلنے کی غرض سے جانے لگے۔

تحریک نے زور پکڑا۔ آتش فشاں پھٹ گیا، طوفان برپا ہو گیا سیلاب اُمڈ آیا آگ بھڑک اٹھی عشق رسول کی شمع جل اٹھی پروانے جلنے لگے، قافلے لٹنے لگے، رضا کار گرفتار ہونے لگے، گولیاں چلنے لگیں، خون بہنے لگا اور اسلامی مملکت کے مسلمان نمائندے تماشہ دیکھتے رہے۔

توحید و رسالت کے نام لیواؤں اور رسول ہاشمی ﷺ کے وفادار غلاموں نے ناموس ختم نبوت کی رکھوالی کی خاطر سینوں پر گولیاں کھائیں، اپنے بچے قربان کیے ظلم و ستم کو مسکرا کر برداشت کیا، گرفتار ہو کر جیلوں میں گئے لیکن دامن مصطفی ﷺ نہ چھوڑا۔

فیصل آباد میں ایکشن کمیٹی بنالی گئی تھی علمائے کرام اور شہر کے معززین کا اجتماع

ہوا دھواں دار تقریریں ہوئیں۔ قوم کے مذہبی جذبات کو بیدار کیا گیا۔ مرزائیوں کے خلاف نفرت کی آگ کو ہوا دی گئی اور حکومت کے غیر منصفانہ رویے کی مذمت کی گئی۔

فیصلہ کیا گیا کہ گرفتاری کے لیے رضا کار کسی مقامی عالم دین اور خطیب کی زیر قیادت بھیجے جائیں چنانچہ پہلا نمبر مفتی محمد یونس کا تھا اور دوسرا نمبر میرا۔

اس ہنگامی اجلاس کے بعد میں راولپنڈی اپنی بیوی کا مُکلاوہ لینے چلا گیا واپس آیا تو میرا نمبر تھا۔ صبح دس بجے جامع مسجد میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جلسہ کے بعد اس قوم نے مجھے پھولوں کے ہار پہنائے۔ ایک تانگے پر بٹھایا اور پھر ایک فقید المثال جلوس کے جلو میں شمع ختم نبوت کا یہ پروانہ ناموس رسالت پر قربان ہونے کے لیے فلک شگاف نعروں کی گونج اور پھولوں کی پتیوں کی بارش میں ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسٹیشن کے باہر وسیع میدان میں فرزندان ختم نبوت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، شہریوں کا خلوص و ولولہ، عورتوں کا جوش وخروش، جوانوں کے بے قابو جذبات اور عشق رسول ﷺ کا عظیم مظاہرہ قابل دید تھا۔

چاروں طرف پولیس رائفلیں تھامے اور سنگینیں تانے کھڑی تھی اور مقامی افسران گھبرائے ہوئے تھر تھر کانپ رہے تھے کہ یہ طوفان خیریت سے گذر جائے۔

میں نے تانگہ پر کھڑے ہو کر ایسی ایمان افروز تقریر کی کہ کملی والے آقائے دو عالم ﷺ کے گنہگار امتی تڑپ اٹھے۔ خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں تصادم نہ ہو جائے۔ میری اس تقریر کے متعلق ہائیکورٹ کے چیف جسٹس جناب محمد منیر نے اپنی رپورٹ میں لکھا:

''صاحبزادہ افتخار الحسن کی تقریر نے شہر میں آگ لگا دی'' اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر قیامت کے دن میری وہ تقریر دربار خداوندی میں پیش ہو گئی تو فطرت الٰہیہ ضرور سوچے گی کہ اس گنہگار بندے کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

ایک سو رضا کاروں کا دستہ لے کر جس میں فیصل آباد، گوجرہ اور ٹوبہ کے جوان شامل تھے فلک شگاف نعروں کی گونج میں لاہور جانے والی گاڑی میں سوار ہو گیا ایک

بوری بھنے ہوئے چنے اور کچھ روپے مولانا تاج محمود نے مجھے دیئے اور میرے کان میں کہا
کہ ''آپ کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے ہیں۔'' شاید آپ کو ''سانگلہ ہل'' سے پہلے
اسٹیشن پر گرفتار کر لیا جائے اگر ایسا ہوا تو پھر کسی قابل اعتماد رضا کار کو قافلے کا امیر بنا کر
خود گرفتار ہو جانا۔

گاڑی ''سالاروالا'' اسٹیشن پر رکی تو پولیس کی بھاری جمعیت نے گھیرا ڈال لیا۔
ایک انسپکٹر، ایک ڈیوٹی مجسٹریٹ اور چند سپاہی فوراً میرے ڈبے میں آئے انسپکٹر پولیس
نے کہا: ''صاحبزادہ صاحب آپ اپنے آپ کو گرفتار سمجھیں۔''

شمع ختم نبوت کے پروانے نیچے اتر آئے۔ پولیس انسپکٹر نے ہتھکڑی لگانے کی
کوشش کی۔ رضا کاروں نے گھیرا ڈال لیا۔ جمع ہو گئے اور ایک اچھا خاصا ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔

جب پولیس گرفتار کرنے میں ناکام ہوئی تو ڈیوٹی مجسٹریٹ آگے بڑھا اور غصہ
سے مجھے کہا: مولوی صاحب میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ رضا کاروں کو پیچھے ہٹا کر اپنے
آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دو۔

''ورنہ میں طاقت استعمال کروں گا۔''

میں بھی بھڑک اٹھا اور خطیبانہ لہجے میں جواب دیا: مجسٹریٹ صاحب! آپ
اپنی طاقت استعمال کریں، میں اپنی طاقت استعمال کرتا ہوں لیکن ممکن ہے کہ آپ کی
طاقت ناکام ہو جائے مگر میری طاقت جان کی بازی لگا دے گی اور ساتھ ہی میں نے
رضا کاروں کو حکم دیا کہ ریل کی پٹڑی پر لیٹ جاؤ وہ حکم سنتے ہی آن واحد میں لیٹ گئے۔

میں نے پھر مجسٹریٹ سے کہا دیکھا جناب یہ ہے میری طاقت، اب ان پر سے گاڑی
گزار دیں گولیوں کا مینہ برسا دیں۔ محمد مصطفی ﷺ کے یہ غلام جنبش تک نہیں کریں گے۔

انسپکٹر پولیس اور مجسٹریٹ نے مشورہ کر کے کہا کہ اچھا تھوڑی دیر کے لیے
آپ لوگ پولیس کی حراست میں یہاں بیٹھیں۔ ہم مان گئے۔ انہوں نے اسٹیشن سے
ریلوے کی معرفت فیصل آباد کے پولیس کپتان رانا جہاں داد خان کو فون پر حالات سے

آگاہ کیا۔ انہوں نے کہا میں خود آتا ہوں، آپ ان کو بڑی نہر پر لے آئیں۔

''پہاڑنگ'' کے لوگوں نے فوراً ہی ہمارے کھانے کا انتظام کر دیا کھانے سے
فارغ ہوئے ہی تھے کہ حکم ملا بڑی نہر پر چلو اور پھر ہم قربانی کے بکرے گردنیں جھکائے
خاموشی سے براستہ سانگلہ فیصل آباد جانے والی بڑی نہر کی طرف پولیس کی زیر حراست
چل پڑے۔

ظہر کی نماز نہر پر ادا کی ابھی سلام پھیرا ہی تھا کہ پولیس کپتان بمع پولیس کے
دستہ کے جیپ پر آ پہنچے۔

شاہ صاحب آپ گرفتار کیوں نہیں ہوتے؟ کپتان نے آتے ہی سوال کیا میں
نے جواب دیا جناب مجسٹریٹ صاحب نے طاقت استعمال کرنے کی دھمکی دی تھی۔

پولیس کپتان نے مجسٹریٹ کی طرف ذرا ترچھی نظروں سے دیکھا اور کہا:

کیوں مجسٹریٹ صاحب! کیا ہم مسلمان نہیں ہیں کہ شمع ختم نبوت کے پروانوں
پر گولیاں چلائیں جو پہلے ہی جلنے اور قربان ہونے کے لیے گھروں سے نکلے ہیں۔

صاحبزادہ صاحب! آپ پانچ منٹ کے اندر کسی کو امیر بنا کر اپنے آپ کو
گرفتاری کے لیے پیش کر دیں۔

بہت اچھا جناب۔

پھر میں نے سید محمد طفیل صاحب (گوجرہ والے) کو امیر مقرر کر کے اور چند
ضروری ہدایات دے کر ہاتھ آگے کر دیئے کہ جناب میں گرفتاری کے لیے اپنے آپ کو
پیش کرتا ہوں۔

پولیس نے حوالدار محمد خاں کو حکم دیا کہ شاہ صاحب کو ہتھکڑی لگا لو۔

جناب میں تو شاہ صاحب کو ہتھکڑی نہیں لگا سکتا اور یہ لو اپنی پیٹی محمد خاں نے
بڑے حوصلے سے کہا پولیس کپتان معاملہ کی تہہ کو بھانپ گئے اور وقت کی نزاکت کو سمجھ
گئے اور آگے بڑھ کر خود مجھے ہتھکڑی لگائی اور بڑے مودبانہ لہجے میں کہا شاہ صاحب میں

آپ کا بہت احترام کرتا ہوں مگر قانون کے ہاتھوں مجبور ہوں۔

ضروری کاغذات کی خانہ پری ہو جانے کے بعد فیصل آباد جیل کا صدر دروازہ کھلا اور پھر کئی تالے کھلنے کے بعد، کئی راستے طے کرتا اور کئی دیواروں کے سائیوں سے گذرتا ہوا پولیس کے دستہ اور جیل کے عملہ کے ہمراہ ایک وسیع احاطہ کے وسط میں ایک لمبے چوڑے کمرہ میں جسے ''گورا بیرک'' کہتے ہیں بند ہو گیا۔ ہتھکڑی کھول دی گئی اور دو گھاس پھونس کے بنے ہوئے بدبودار کمبل، ایک گھڑا اور مٹی کے دو چار برتن مجھے دے کر اور بڑا سا تالا لگا کر چلے گئے۔

مغرب کی نماز کے بعد دروازہ کھلا اور جیل کے خاص عملہ کے جلو میں سپرنٹنڈنٹ جیل کرنل فخرالدین بڑے کروفر اور رعب وجلال سے تشریف لائے اور سلام و جواب کے بعد کہنے لگے شاہ صاحب آپ ہیں جنہوں نے آج اسٹیشن پر بڑی خطرناک تقریر کی ہے؟

میں نے جواب دیا جی میں ہی ہوں۔

پھر انہوں نے اپنا تعارف کرایا۔

فوجی، کرنل اور پٹھان، گوجرانوالہ کے تربوز جتنا سر، سات فٹ قد، بھیڑیے جیسا منہ، لال سرخ چہرہ اور آڑو جتنی آنکھیں۔

انہوں نے مجھے بتایا شاہ صاحب پبلک سیفٹی ایکٹ کی دفعہ ۲۰۳ کے تحت چھ ماہ کے لیے آپ کو گرفتار کیا گیا ہے اب صبر وسکون اور حوصلہ اور جوانمردی سے آپ یہاں رہو۔ آپ کی بی کلاس ہے آج تو جو بھی ہو کھا لیں کل سے آپ کا انتظام کر دیا جائے گا۔ میں ان شاء اللہ حتیٰ الامکان کوشش کروں گا کہ جب تک آپ میرے پاس رہیں آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

کرنل صاحب چلے گئے تو میں سوچ و بچار کی دنیا میں کھو گیا۔ خطرناک تقریر، دفعہ ۲۰۳، چھ ماہ، سیفٹی ایکٹ، ہندسوں کا ہیر پھیر ہے قتل کی ضمانت ممکن، سیفٹی ایکٹ کی

ضمانت محال، قتل میں صفائی کا قانونی حق، سیفٹی ایکٹ میں صفائی حرام، قتل کے لیے عدالت لیکن سیفٹی ایکٹ کے لیے کوئی عدالت نہیں۔

کھانا آ گیا لوہے کی تھالی میں کچے تیل سے بھیگی ہوئی پالک اور ونڈے کی سوکھی ہوئی دو روٹیاں، بھلا کون کھائے اور کیسے کھائے؟

آوازیں آئیں شاہ جی، پیر جی، صاحبزادہ صاحب!

میں نے پوچھا، تسیں کون او۔ تے کتھوں پئے بول دے او۔

میں مولوی عبیداللہ واں تے میرے نال مرزا غلام نبی جانباز اے، تے اسیں سویرے دے آئے ہوئے آں۔

پیر جی کجھ کھادا جے۔

نئیں۔ یار اے کترے ہوئے پٹھے کون کھاوے

پیر جی ایتھے مریداں دے ککڑ نئیں لبھدے۔

اچھا اسیں کھانا گھلنے آں۔ سانوں پتہ سی تساں آ جانا اے۔ وہ دونوں ساتھ والے احاطہ میں بند تھے۔ تھکا ہوا تھا مچھروں کی یلغار اور کمبلوں کی بدبو کے باوجود بھی نیند آ گئی۔ صبح کی نماز سے فارغ ہوا تو مولانا محمد یعقوب نورانی، مولانا عبدالرحیم اشرف، خواجہ غلام حسین (لدھیانہ برتن سٹور والے) شیخ محمد بشیر (چیف بوٹ ہاؤس والے) اور محمد رفیق بٹ (کشمیر ہوٹل والے) بھی گرفتار ہو کر آ گئے مولانا محمد عبیداللہ احرار اور مرزا غلام نبی جانباز بھی ہمارے احاطہ میں آ گئے۔

میلہ لگ گیا۔ ایک نئی بستی آباد ہو گئی۔ اجڑے ہوئے گھر میں رونق آ گئی اور شمع ختم نبوت کے پروانوں کا جمگھٹا سا لگ گیا۔ سب کا ایک ہی مقصد تھا اور ایک ہی راستہ، سب کی ایک ہی غرض تھی اور ایک ہی منزل کہ کسی طرح اس اسلامی مملکت میں ناموس رسالت کی حفاظت ہو سکے اور تخت وتاج ختم نبوت کی آبرو رہ جائے۔

جیل کیا ہے؟ اس دنیا میں جہنم کا گڑھا، اس جہان میں عذاب کا گھر اور اس عالم میں دوزخ کی غار، وحشت و بربریت کا مسکن، نحوست کا مرکز اور گندگی و درندگی کا گہوارہ۔

اس کی حکومت علیٰحدہ، اس کی دنیا نرالی، اس کے قوانین انوکھے اور اس کا ماحول عجیب۔ باہر کی دنیا سے بالکل علیٰحدہ، شہری آزادی سے بالکل محروم اور خویش و اقارب سے بالکل جدا۔

قید و بند، تنہائی و خاموشی، ظلم و ستم، جبر و تشدد اور چکی کی مشقت۔ آہ و فغاں کرو تو سننے والا کوئی نہیں، نالہ و فریاد کرو تو پوچھنے والا کوئی نہیں اور مرتے ہو تو پانی دینے والا کوئی نہیں۔

نہ کوئی درد و دکھ کا ساتھی اور نہ کوئی رنج و غم کا سنگتی، نہ کوئی مصیبت میں مددگار اور نہ کوئی مشکل میں غم خوار، اونچی اونچی دیواروں کے سائے، تنگ و تاریک کوٹھڑیاں، لوہے کی موٹی سلاخیں، نظام آباد کے بنے ہوئے مضبوط تالے، جلی ہوئی روٹیاں اور ٹوکے سے کترا ہوا ساگ، حکام سفاک و ظالم، افسران بے رحم و جابر اور عملہ مفاد پرست و رشوت خور، جہاں باہر سے آنے والے قیدیوں کا آدھا سامان دفتر ہی میں رکھ لیا جاتا ہے۔ جہاں دو سیر دیسی گھی کے عوض ناجائز ملاقاتیں کرائی جاتی ہیں اور جہاں سے بیمار قیدیوں کی دوائیں باہر فروخت کی جاتی ہیں۔

اعمال حسنہ و اعمال سیئہ کی جزاء و سزا قدرت کا ایک سنہری قانون ہے۔

قیامت کا دن، حشر کا میدان، دوزخ کی آگ اور جنت کے باغات اسی قانون الٰہی کو بروئے کار لانے کی غرض سے تیار کیے گئے ہیں۔ دنیا میں انسان جیسا عمل کرے گا اسی کے مطابق سزا دی جائے گی۔ نیکوں اور اعمال صالح کرنے والوں کے لیے جنت، پرکیف فضائیں اور ٹھنڈی ہوائیں اور البتہ گنہگاروں بدکاروں اور سیہ کاروں کے لیے مختلف المعیاد سزائیں ہیں۔ کسی کے لیے ایک سال، کسی کو دو یا تین سال اور کئی بدبختوں کے لیے دائمی جہنم۔

جیل بھی اسی قانون قدرت کا ایک پرتو اور نمونہ ہے۔ جیسا جرم ویسی سزا ایک سال

دو سال اور پھر عمر قید بھی ہے اور پھانسی کا تختہ بھی۔ فرق صرف یہ ہے وہاں جو کچھ بھی ہوگا عدل و انصاف کی بناء پر ہوگا اور یہاں جو کچھ بھی ہوتا ہے رشوت و سفارش کی بناء پر ہوتا ہے۔

۱۹۳۴ء سے پہلے سیاسی و اخلاقی مجرموں میں کوئی امتیاز نہیں تھا سب سے ایک جیسا سلوک کیا جاتا۔ اخلاقی مجرموں کی طرح سیاسی قیدیوں سے بھی مشقت لی جاتی۔ چکی پسوائی جاتی اور منج کٹوائی جاتی تھی اور لباس بھی ایک طرح کا ہوتا تھا۔

مولانا حسرت موہانی مرحوم کہتے ہیں: ؎

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی
جو چاہو ستم کر لو تم اور بھی کھل کھیلو
پر ہم سے قسم لے لو کی ہو جو شکایت بھی

یہ تو بھلا ہو بھیم سین سچر کا جو اپنی جان دے کر انگریزوں سے ایسی قیدیوں کے لیے اے۔ بی اور سپیشل کلاسیں بنوا گیا۔

لمبی قید والوں کو اور دیسی گھی کا ایک ٹین داروغہ جیل کو دینے والے چھوٹی قید والوں کو بھی جیل میں "نمبردار" بنا دیا جاتا ہے۔ جن کا امتیازی نشان سر پر لال ٹوپی اور کمر میں کالی پٹی ہوتی ہے۔ یہ "نمبردار" کسی قسم کی مشقت نہیں کرتے اور قیدیوں کی دیکھ بھال، ان کی نگرانی، ان کی شکایات و ضروریات حکام تک پہنچانا ان کے ذمہ ہوتا ہے اور وہ جیل کی چار دیواری کے اندر گھوم پھر سکتے ہیں۔ قیدیوں کے خویش و اقارب انہیں نمبرداروں کے ذریعے غیر قانونی اشیاء تک بھی اندر پہنچاتے ہیں گویا جیل کے "نمبردار" اور باہر کے "پٹواری" میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بی کلاس والے سیاسی قیدیوں کے لیے کھانے کا انتظام اس کے احاطہ میں ہی کر دیا جاتا ہے۔ کھانے پکانے کے لیے کوئی قیدی باورچی، ایک قیدی نوکر، میز، کرسی، کتابیں، بستر، چارپائی، گرمیوں میں پنکھا اور گھر کے کپڑے سیاسی قیدیوں کا قانونی حق ہوتا ہے۔ جو اکثر حکام جیل کی بد دیانتی کے باعث

غصب ہو جاتا ہے۔

گھی، چینی، چاول، فروٹ، چائے اور سگریٹ وغیرہ معین مقدار میں روز ملتے ہیں۔ یا ایک ہفتہ تک کے لیے لیکن یہ بھی اکثر جیل کے عملہ کی جیبوں میں چلے جاتے ہیں۔

اے کلاس والوں کو اور بھی زیادہ آرام اور سہولتیں میسر ہوتی ہیں اور سپیشل کلاس والے تو جیل میں ایسے مزے سے رہتے ہیں جیسے نواب زادے اپنے باپ کے مرنے کے بعد خوبصورت بنگلوں میں عیش وعشرت سے زندگی گذارتے ہیں لیکن صدر بھٹو کے دور حکومت میں یہ امتیاز آہستہ آہستہ ختم کیا جا رہا ہے مولانا عبدالستار خان نیازی کی دستار کا دوفٹ لمبا طرہ ہو یا احسان الٰہی ظہیر کی قراقلی ٹوپی، محمد حمزہ کی صدائے حق وصداقت کی گونج ہو یا شورش کاشمیری کی شیر جیسی گرج، کسی صاحبزادے کا عربی مصلیٰ یا نواب زادہ شیر علی خان کی کوٹھی کا قالین سب برابر ہیں۔ سب ایک جیسے ہیں کوئی امتیاز نہیں اور کوئی حیثیت نہیں۔

ہتھکڑیاں ہیں، بیڑیاں ہیں اور سی کلاسیں ہیں۔ شاید مساوات محمدی کا تجربہ کرنے کے لیے؟

اخلاقی قیدیوں کے لیے تو جیل ایک دردناک اور بھیانک عذاب کا گھر ہے۔

صبح گنتی، شام گنتی، چھ بجے کوٹھڑیوں سے نکلتے ہیں اور شام پانچ بجے بند ہو جاتے ہیں ناقص خوراک گندا لباس بدبودار کمبل اور غلیظ کوٹھڑیاں۔

ایک ایک کوٹھڑی میں تین تین چار چار قیدیوں کو یوں بند کر دیا جاتا ہے جیسے گندے باڑے میں بھیڑیں۔ وہیں کھانا اور وہیں بول وبراز۔

لیکن متمول اور کھاتے پیتے گھرانوں کے قیدی یا شہر کے مشہور غنڈے جیل کے حکام سے گٹھ جوڑ کر کے جو چاہیں سو کریں اور جو چاہیں سو کھائیں نہ ہی بند ہوتے ہیں اور نہ ہی مشقت کرتے ہیں اور باہر سے ہر چیز منگوا سکتے ہیں۔ بھنگ پینے والے کو بھنگ، چرس پینے والے کو چرس، شراب پینے والے کو شراب، اور افیون کھانے والے کو افیون ملتی

ہے اور اب تو پستول بم اور رائفلیں تک ملتی ہیں۔

اگر کوئی اخلاقی قیدی جیل کے نظم ونسق، قواعد وضوابط اور آئین وقوانین کی خلاف ورزی کرے یا جیل کے حکام کی توہین کرے تو لال ٹوپیوں والے نمبردار اس قیدی کو پٹیاں مار مار کر ادھ موا کر دیتے ہیں اور اگر اس پر بھی ٹھیک نہ ہو تو پھر گول چکر سے خطرے کی گھنٹی بجا کر پولیس بلائی جاتی ہے جو اس قیدی پر اتنا تشدد کرتی ہے کہ جیل کی دیواریں تک کانپ اٹھتی ہیں اور اگر قیدی آپس میں لڑ پڑیں یا جیل کے سامان کو خرد برد کر دیں تو پھر ان کو مخصوص کوٹھڑی میں بند کر دیا جاتا ہے جسے جیل کی اصطلاح میں ''چکی بند'' کہتے ہیں اور اگر کوئی قیدی جیل کے کسی افسر کی بے عزتی کرے یا کوئی سنگین جرم کرے تو اسے بیدوں کی سزا دی جاتی ہے جن کی تعداد 5 سے 20 تک ہوتی ہے۔

بید مارنے والا ''جلاد'' ہر جیل میں ہوتا ہے اور وہ ہر روز اس کی باقاعدہ پریکٹس کرتا ہے اور اس کی خوراک بھی علیحدہ اور اچھی ہوتی ہے۔ وہ جلاد کسی درخت کے ساتھ مٹی کی ایک بوری باندھ کر تیل میں بھیگا ہوا لمبا سا ایک بید ہاتھ میں پکڑ کر دور سے گتکا کھیلنے والوں کی طرح اچھلتا کودتا آتا ہے اور اس بوری پر مارتا ہے اس کا کمال فن یہ ہوتا ہے کہ جس جگہ پہلا بید لگے دوسرے بھی اسی جگہ لگیں۔

سزا دینے والے قیدی کو ننگا کر کے صرف اس کے چوتڑوں پر ململ کا کپڑا لپیٹ کر ٹکٹکی میں کس دیا جاتا ہے اور جلاد اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے قیدی کے چوتڑوں پر بید مارتا ہے۔ خون کے فوارے بہہ نکلتے ہیں اور گوشت کی بوٹیاں ہوا میں اڑنے لگتی ہیں۔

میں نے مختلف جیلوں میں کئی قیدیوں کو بید لگتے دیکھے ہیں۔ ان میں سے ایسے ایسے جی دار، حوصلہ مند اور بہادر بھی دیکھے ہیں جو بڑے صبر وسکون اور ثابت قدمی سے بید کھاتے ہیں اور حکام کو گالیاں دیتے ہیں اور نعرے لگاتے ہیں۔

ایک دفعہ جو قیدی بید کھا لے پھر اس سے کوئی مشقت نہیں لی جاتی اور پھر حکام بھی ڈرتے اس کے قریب نہیں جاتے۔

گوجرانوالہ جیل میں ایسے ہی ایک قیدی سے میں نے پوچھا کہ بید کیسے برداشت کر لیتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ بید کھانے سے پہلے قیدی تھوڑی سی افیم کھالیتا ہے، بس پھر اس کے نشہ میں اسے کچھ پتہ نہیں رہتا کہ کیا ہو رہا ہے۔ اللہ جانے یہ ٹھیک ہے یا غلط؟

جیل کی چار دیواری کے وسط میں دیواروں سے کچھ اونچا ایک گنبد بنا ہوتا ہے جسے ''گول چکر'' کہتے ہیں۔ اس گول چکر کے گنبد میں ایک نمبردار یا وارڈر ہر وقت کھڑا رہتا ہے جہاں سے اسے جیل کا ہر احاطہ دکھائی دیتا ہے اور قیدیوں کی نقل و حرکت اور محنت و مشقت نظر آتی رہتی ہے۔ چار گھنٹہ کے بعد وہ بدل جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا آ جاتا ہے۔ جیل کی باہر کی دیوار کے اوپر دو دو سو گز کے فاصلے پر ایسی سایہ دار جگہیں بنی ہوتی ہیں جس میں ایک دو آدمی آسانی سے کھڑے ہو سکیں ان جگہوں پر بھی نمبردار کھڑے رہتے ہیں جو جیل کے باہر اور اندر کے حالات کی نگرانی کرتے ہیں۔ ہر پندرہ بیس منٹ کے بعد گول چکر سے نمبردار ذرا لمبا کر کے پکارتا ہے ''ہاؤ'' اس کے جواب میں باہر کی چار دیواری والے باری باری آواز دیتے ہیں ''سب اچھا۔'' پھر ہر احاطہ میں متعین نمبردار بھی یہی جواب دیتے ہیں۔ ''سب اچھا۔'' یہ جیل کی دنیا کا پہرہ ہے جو دن رات دیا جاتا ہے۔

جیل کے اندر عیاشی ہو بدمعاشی ہو غنڈہ گردی ہو دنگا فساد ہو کوئی قیدی بید کھا رہا ہو یا کوئی مر رہا ہو انہوں نے ''سب اچھا'' ہی کہنا ہوتا ہے بالکل ایسے ہی جیسے سندھ میں لسانی تنازعہ پر خون خرابہ اور قتل و غارت ہو رہا تھا لیکن مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات اور حج و اوقاف دہائی دے رہے تھے کہ ''سب اچھا'' ہے۔

جیل کا داروغہ جیل کی دنیا کا سربراہ ہوتا ہے اور اس چار دیواری کا مطلق العنان حاکم ہر پیر کو ایک بہت بڑے چھتر کے سایہ میں اپنے ماتحت عملہ اور نمبرداروں کے جلو میں ہر احاطہ میں جاتا ہے اور قیدیوں کی ''پریڈ'' دیکھتا ہے یعنی کوٹھڑیوں اور کپڑوں کی صفائی برتنوں کی صفائی اور برتنوں کو قرینہ سے لگا کر رکھنے کو ''پریڈ'' کہتے ہیں۔

وہ قیدیوں کی ضروریات اور مشکلات کا پتہ کرتا ہے اور ان کے مطالبات سنتا

ہے اور جیل کی مملکت کے اس خود مختار شہنشاہ کو قیدیوں کو سزاؤں میں کمی کرنے کا بھی اختیار ہوتا ہے۔ جسے جیل کی اصطلاح میں ''معافی'' کہتے ہیں۔

پاکستان بن جانے کے بعد ہر حکومت نے جیلوں کی اصلاح اور قیدیوں کی فلاح و بہبود اور ان کی عادات کو سنوارنے کے لیے کئی منصوبے بنائے لیکن آج تک کسی حکومت سے یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ کیوں؟ اس لیے کہ جیلوں کی اصلاح کرنے کے منصوبے بنانے والے انسپکٹر اور وزیر ایسے بنائے جاتے ہیں جنہوں نے کبھی جیل نہیں دیکھی ہوتی اور جو جیل کے ماحول سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔ اگر کوئی حکومت مجھ جیسے کسی درویش کو جیل خانہ جات کا وزیر یا نگران بنا دے تو ان شاء اللہ العزیز مجھے امید ہے کہ نہ صرف جیلوں کی اصلاح ہو جائے بلکہ بڑے بڑے مجرم اور خطرناک قسم کے قیدی بھی اللہ کے فضل و کرم سے معاشرے کے بہترین شریف شہری بن جائیں حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل کی اصلاح کرنے، قیدیوں کی اخلاق و کردار سنوارنے ان کے عادات و خصائل درست کرنے اور ان کو نیکی و شرافت کی راہ پر چلانے کی غرض سے اور ان کے جرائم و گناہوں کو دور کرنے کے لیے اپنے جیل کے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر جو وعظ و نصیحت فرمائی قرآن پاک نے اسے بڑے پیارے انداز میں بیان فرمایا ہے جس کا ترجمہ و مفہوم یہ ہے:

''اے میرے جیل کے ساتھیو! میں دیکھتا ہوں کہ تم خدا کی بجائے کئی قسم کے جھوٹے خداؤں کی پرستش کرتے ہو اور خود ہی ان کے نام تجویز کر کے خود ہی ان کے آگے سر جھکاتے ہو اور یہ کفر و شرک ہے۔ بہت سے خداؤں کی پرستش اچھی ہے یا ایک ہی خدا کی عبادت؟''

''آؤ میں تمہیں وعظ و نصیحت کے ذریعے تلقین کرتا ہوں کہ ایک خدا کی عبادت کرو۔ وہی تمہارا خالق رازق ہے اور وہی غفور و رحیم ہے۔ تم طرح طرح کے اخلاقی جرائم کی سزا بھگتنے کے لیے اس جیل

میں آئے ہو لیکن یہ کفر و شرک ایک ایسا سنگین اور نا قابل معافی جرم
ہے کہ اگر تم نے توبہ کر کے اپنے اخلاق و کردار اور عادات و خصائل
کو درست کرنے اور سنوارنے کی کوشش نہ کی تو پھر اس کی سزا دائمی
جہنم ہے۔''

قرآن پاک کے اس بیان کے پیش نظر میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ جیلوں کی اصلاح اور قیدیوں کو شریف اور معزز شہری بنانے اور انہیں معاشرہ میں بلند مقام دینے میں علماء کرام کی خدمات حاصل کی جائیں تو حقیقت میں ''سب اچھا'' ہو سکتا ہے۔

بلند پایہ خطیب شعلہ بیان واعظ اور خوش الحان مقرر ہر صبح قیدیوں کو قرآن پاک کا درس دیں اور ہر جمعہ کو وعظ و نصیحت کریں۔ قہر الٰہی اور عذاب جہنم سے ڈرائیں اور ان کے دلوں میں خوف خدا پیدا کریں اور قرآن پاک کے مطابق ان کو سمجھائیں اور بتائیں کہ پچھلی قومیں کس کس جرم و گناہ میں نیست و نابود ہو گئیں اور ان پر کن کن بد اخلاقیوں اور گمراہیوں کے سبب کیسے کیسے عذاب نازل ہوئے۔

بہتر تو یہ تھا کہ یہ کام مولانا کوثر نیازی سے لیا جاتا۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ اس لیے اگر حکومت چاہتی ہے کہ جیلوں میں صحیح معنوں میں سب اچھا ہو تو اس کار خیر اور نیکی کے کام کے لیے میں اپنی خدمات پیش کرتا ہوں خواہ لوگ مجھے ''امام المجرمین'' ہی کیوں نہ کہیں۔

ہر جیل میں قیدیوں کے علاج معالجہ کے لیے ایک ہسپتال ہوتا ہے جس میں کسی ایسے ڈاکٹر کو رکھا جاتا ہے جو میڈیکل سے نیا نیا فارغ ہوا ہوتا ہے اور اسے محض پریکٹس کرانی مقصود ہوتی ہے یا ریلوے کا ریٹائر شدہ ہوتا ہے جو ڈاکٹری اوزار کی بجائے زراعتی اوزار سے کام لیتا ہے۔

جیل ہسپتال کی دوائیاں صرف بیمار قیدیوں کی خاطر ہوتی ہیں مگر جیل کا چھوٹا بڑا داروغہ، کلرک اور دیگر تمام حکام اور سارا عملہ اس ہسپتال کو جماعت اسلامی کا خیراتی اور گشتی شفاخانہ سمجھ کر مفاد اٹھاتا ہے یہی نہیں بلکہ ہسپتال کی اچھی اچھی اور خالص دوائیاں

جیل کے افسران کی بد دیانتی اور ڈاکٹر کی سنگ دلی کی بدولت شہر کے میڈیکل سٹوروں پر فروخت ہو جاتی ہیں اور ادھر بیمار و بے کس قیدی تو درد و تکلیف اور بیماری کی شدت سے تڑپ رہا ہوتا ہے اور ادھر قیدیوں کا دودھ داروغہ جیل کے بچے پی رہے ہوتے ہیں۔

جیل کے گندے ماحول اس کی غلیظ بود و باش اور اس کے شرم ناک نظم و نسق کے باوجود اور وحشت و بربریت کا مسکن، نحوست کا مرکز اور اس کے تاریک پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اس کا ایک روشن پہلو بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ عبادت و ریاضت، ذکر و فکر اور وظیفہ اور چلہ کشی کے لیے جیل ایک بہترین جگہ ہے۔ تنہائی، خاموشی، اور یکسوئی عبادت و ریاضت میں مزہ، ذکر و فکر میں لطف اور وظیفہ و تلاوت قرآن میں جو سرور جیل میں آتا ہے وہ مسجد کے حجرے اور گھر کی بیٹھک میں بھی نہیں آتا۔

ایک ہفتہ کے بعد کرنل فخر الدین نے مجھے دفتر بلایا میرا فوٹو اتروایا اور کہا صاحبزادہ صاحب آپ کو مبارک ہو کہ آپ کو ''ڈبل سٹار'' مل گیا ہے اور آج سے آپ اپنے آپ کو یوں سمجھئے کہ جیسے انگریزوں کی تعزیرات ہند میں بستہ ب کا عادی مجرم۔

میں نے وضاحت چاہی کہنے لگے اب آپ کی یہ تصویر پاکستان کے بڑے بڑے پولیس اسٹیشنوں میں رکھی جائے گی اور آپ ہر وقت پولیس اور سی آئی ڈی کی نگرانی میں رہیں گے اور سیاست کے میدان میں یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔

کرنل صاحب کی بات بالکل ٹھیک نکلی کیوں کہ بعد کے حالات نے یہ سب کچھ صحیح ثابت کر دیا یہاں تک کہ طارق آباد میں میرے مکان کے سامنے والا مکان ایک تھانیدار نے کرایہ پر لے لیا۔ تاکہ وہ میری ہر وقت کی نقل و حرکت کی اچھی طرح نگرانی کر سکے اور آج تک اسی چکر میں پھنسا ہوا ہوں۔ جنگ دسمبر ۱۹۷۱ء سے پہلے میرا حقیقی بھانجا سید محمد فاروق جو فوج میں کیپٹن اور آج کل بھارت کی قید میں ہے مجھے ملنے کے لیے آیا۔ وہ باہر نکلا سی آئی ڈی کے ایک انسپکٹر نے اسے کہا کہ کیپٹن فاروق صاحب یہاں سے فوراً چلے جاؤ آپ نہیں جانتے کہ آپ خطرناک آدمی کے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں وہ بے

چارہ دس دن کے لیے آیا تھا دو دن کے بعد چلا گیا۔

کشمیر ہوٹل والے محمد رفیق بٹ صبح وشام طرح طرح کے کھانے پکاتے اور شمع ختم نبوت کے پروانے بڑے مزے مزے سے کھاتے اور ہر دوسرے تیسرے دن شہر کے عوام بھی کسی دن فروٹ کی بوری کسی دن مرغ پلاؤ کی دیگ اور کسی دن مٹھائی کا ٹوکرہ بھیج دیتے تھے۔

مذہبی وسیاسی گفتگو، تحریک کے تاریک پہلوؤں پر بحث، حکومت کے رویہ پر تنقید، نعت خوانی اور قوالی کی رونق، شعروشاعری کے لطف ومزے اور مرزا غلام نبی جانباز کی لطیفہ گوئی میں ہنسی خوشی سے دن گذر جاتا اور رات بسر ہو جاتی۔ ایک مہینہ کے بعد کچھ ساتھی آہستہ آہستہ رہا ہونے لگے اور کچھ مختلف جیلوں میں منتقل ہونے لگے۔

ایک رات نو بجے حکم ملا کہ صاحبزادہ افتخار الحسن، مولانا محمد یعقوب نورانی مولانا محمد صدیق، خواجہ غلام حسن، محمد رفیق بٹ اور فلاں فلاں رضا کار میانوالی جیل کے لیے تیار ہو جائیں اور مولانا عبید اللہ احرار مرزا غلام نبی جانباز اور مولانا عبد الرحیم اشرف اٹک جیل کے لیے سامان باندھ لیں اور مولانا تاج محمود شاہی قلعہ جانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ تمام دوستوں کو ایک دوسرے سے جدا ہونے اور بچھڑنے کا بہت صدمہ ہوا اور اداسی چھا گئی، چہرے مرجھا گئے۔ دل دھڑکنے لگے اور ایک وقت کے لیے ہنسی خوشی رنج و غم میں تبدیل ہوگئی۔

ہم نے اپنا اپنا سامان باندھ لیا اور رات دس بجے اسلام پسند، حق پرستوں اور شمع ختم نبوت کے پروانوں کا یہ قافلہ ڈی، ایس، پی اور ایک ڈیوٹی مجسٹریٹ کی قیادت اور پولیس کی بھاری جمعیت کے زیر حراست ہتھکڑیوں کی جھنکار اور رائفلوں کے سائے میں پولیس کی گاڑی پر سوار ہو کر میانوالی کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستہ میں کسی جگہ رکے بغیر صبح کی نماز میانوالی جیل کے باہر میدان میں پڑھی۔ قیدیوں کی آمد اور وصولی کے کاغزات مکمل ہو جانے کے بعد ہم لوگ میانوالی جیل میں چلے گئے دوسرے ساتھیوں کو تو

ایک کھلے احاطہ میں جس میں کئی کوٹھڑیاں تھیں بھیج دیا گیا اور مجھے ایک وحشت ناک احاطہ کی پھانسی کی کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔

جون کا مہینہ، شدت کی گرمی، میانوالی جیل اور پھانسی کی تنگ وتاریک کوٹھڑی میں نے اپنے پہرہ دار سے جو لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں کے ساتھ کھڑا تھا پوچھا۔ نمبر دار جی میں تو سیاسی قیدی ہوں اور میری بی کلاس ہے۔ پھر مجھے پھانسی کی کوٹھڑی میں کیوں بند کیا گیا ہے۔ کہنے لگا: مولوی صاحب! اس بارے میں تو جیل کے افسران ہی جانتے ہیں یا حکومت جانتی ہے۔ میں تو صرف اتنا ہی جانتا ہوں قیدی سیاسی ہو یا اخلاقی، لیڈر ہو یا مولوی، چور ہو یا ڈاکو بدمعاش ہو یا قاتل، امیر ہو یا غریب یہ ''میانوالی جیل'' ہے اور اسے ''پاکستان کا کالا پانی'' کہتے ہیں۔

کہاں میری نازک مزاجی، لطافت طبع اور نرم دلی اور کہاں بلا کی گرمی، میانوالی جیل، کالا پانی اور پھانسی کی کوٹھڑی بہت سوچا کافی غور کیا دل و دماغ میں کئی خاکے ابھرے ذہن میں کئی تصویریں اتریں، دل میں کئی طرح کے خیالات دوڑے در آنکھوں نے ماضی کا آئینہ دیکھا۔

سی، آئی، ڈی کے حوالدار کی برسر عام بے عزتی، دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی ''اگر لیاقت کے قتل کا سراغ لگانا ہے تو نجف خان پولیس کپتان کو گرفتار کرلو'' اسٹیشن والی خطرناک تقریر سالار والا اسٹیشن پر مجسٹریٹ سے تلخ کلامی فیصل آباد میں فوٹو اور کرنل فخر الدین کی باتیں مگر ان سب کی سزا پھانسی کا تختہ تو نہیں ہوتا۔ پھانسی تو قاتلوں کے لیے ہے اور میں نے تو کسی کو قتل نہیں کیا۔

ضمیر نے ملامت کیا۔

غیرت نے جھنجھوڑا۔

اور دل نے آواز دی۔

کہ تو اسلام کی عظمت، دین کی سربلندی، ناموس رسالت کی حفاظت اور آمنہ

کے لعل ﷺ کی شمع ختم نبوت کا پروانہ بن کر آیا ہے۔ ہوش میں آ۔ پریشان کن خیالات کے جال توڑ، فکر و غم کے سیاہ پردوں کو چاک کر، حسرت و یاس کی منحوس دیواروں کو گرا بزدلی و کمزوری کی اندھیری غاروں سے نکل اور اداسی و دلگیری کی چٹانوں کو پاش پاش کر زندگی اسی کا نام ہے۔

ساتھیوں نے احتجاج کیا شور مچایا اور بھوک ہڑتال کی دھمکی دی۔ آخر ایک ہفتہ کے بعد مجھے وہاں سے نکال دیا گیا بعد میں پتہ چلا کہ میرے ساتھ یہ ظالمانہ سلوک اس لیے کیا گیا تھا کہ میں کسی طرح معافی مانگ لوں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ پھانسی کی وہی کوٹھڑی تھی جس میں عاشق رسول غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو رکھا گیا تھا۔

لاہور کے کوئی ستر کے قریب اوباش و آوارہ قسم کے نوجوان بھی تحریک ختم نبوت کے رضا کاروں کی حیثیت سے میانوالی جیل میں آئے ہوئے تھے ان میں جیب کترے بھی تھے اور سینماؤں کی ٹکٹیں بلیک کرنے والے بھی۔ لاری اڈوں پر چاقو چلانے والے بھی تھے اور لڑکیوں کے سکول کے سامنے آوارہ گھومنے والے بھی، کئی سزا یافتہ بھی تھے اور کئی افیم و چرس کا ناجائز کاروبار کرنے والے بھی اور ان میں باڈی بلڈر بھی تھے اور کبڈی کے کھلاڑی بھی ہم سب کی بی کلاس تھی اور ان سب کی سی کلاس۔ ہم لوگ گاہے بگاہے کئی اشیاء انہیں دے دیتے اور وہ خوش ہو جاتے۔

میں نے کئی علمائے کرام کو دیکھا جو مختلف علاقوں سے ختم نبوت کے مقدس نام پر گرفتار ہو کر آئے ہوئے تھے مگر ان کی حالت قابل رحم بھی تھی اور لائق افسوس بھی ٹھنڈی آہیں بھرتے، آنسو بہاتے، ہائے ہائے کرتے، تحریک چلانے والوں کو برا بھلا کہتے اور رہائی کے لیے سورۃ یوسف کا وظیفہ کرتے۔

ہم نے اکھاڑہ تیار کیا صبح و شام تیل کی مالش ورزش اور زور کرتے لائلپوریوں اور لاہوریوں کے درمیان کبڈی اور کشتیوں کے مقابلے ہوتے، ہاتھ سے لکھے ہوئے اشتہار دیواروں پر لگائے جاتے اور ٹین بجا بجا کر منادی ہوتی۔

ایک طرف شہتوت کے درخت کے سایہ میں کپڑے دھونے اور نہانے کے لیے نلکا تھا اور پختہ فرش تھا میں نے ایک گتے پر لکھا ”ڈیرہ بابا ننگے شاہ“ اور اسے درخت پر لٹکا دیا عشاء کی نماز کے بعد دری بچھا کر میں وہاں بیٹھ جاتا لاہوریے بھی آ جاتے۔

لوہے کے پتروں سے بنی ہوئی چارپائی سے ایک پترا کاٹ کر چمٹا بنایا لاہوریے گھڑا بجاتے۔ قوالی ہوتی، حال کھیلے جاتے، یا علی، حق باہو یا داتا گنج بخش، اور دمادم مست قلندر کے نعرے گونجتے۔ مولوی لوگ ناراض ہوتے خفگی کا اظہار کرتے اور سرگوشیاں اور نکتہ چینیاں کرتے کہ یہ کیسا مولوی ہے یہ کیا تماشا ہے اور اس کے پیچھے لوگ نماز اور جمعہ کیوں پڑھتے ہیں۔ ایک رات اس پختہ تھڑے پر کھڑے ہو کر میں نے تقریر شروع کر دی۔ میرے جیل کے بہادر ساتھیو، اسلام کے جانباز غازیو ناموس رسالت کے سرفروش مجاہدو، دین مصطفی ﷺ کے رہنماؤ شمع ختم نبوت کے پروانو اور حضرات علمائے کرام! ہم لوگ دین اسلام کی عظمت حق و صداقت کی سربلندی اور رسول اکرم ﷺ کی ختم نبوت کی حفاظت کی خاطر قید ہوئے ہیں۔

میرے دوستو! یہ قید خانہ ہے، یہ جیل ہے، یہ مصائب و مشکلات کا گھر ہے، یہ رنج و غم کا مسکن ہے اور درد و تکلیف کا مرکز ہے، حوصلہ و ہمت سے دن گذارو، ثابت قدمی سے سب کچھ برداشت کرو اور عزم و استقلال سے جیل کاٹو آہیں بھرنے، فکر و غم میں ڈوبے رہنے اور وظیفے کرنے سے رہائی نہیں ملے گی۔ اپنے اسلاف کی زندگیوں پر نظر کرو، ان کے عظیم کارناموں پر نگاہ ڈالو اور ان کے حوصلہ اور جرأت مندیوں کا مطالعہ کرو کہ ان پر کیسے کیسے مظالم ڈھائے گئے مگر وہ ثابت قدم رہے۔ ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے مگر انہوں نے اف تک نہ کی اور ان کو جبر و تشدد کی چکی میں پیسا گیا لیکن انہوں نے حوصلہ نہیں ہارا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پر کوڑے برسائے گئے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو سات سال جیل میں رکھا گیا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو جلاوطن کیا گیا اور حضرت

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ جیل سے نکلا۔ آؤ اور جیل ہنستے، اچھلتے کودتے، گاتے بجاتے اور مست قلندر کے نعرے لگاتے ہوئے کاٹیں ورنہ ہمارے یہ نوجوان باہر جا کر کیا کہیں گے کہ یہ ہیں ہمارے دینی و مذہبی رہنما اور علمائے کرام جو بزدل اور بے حوصلہ ہیں اور کمزور اور ڈرپوک ہیں۔

تقریر اثر کر گئی اور مولوی لوگ آہستہ آہستہ ''بابا نکلے شاہ کے ڈیرے'' پر آنے لگے۔ یوں تو ہر جیل کے حکام بددیانت، بے رحم اور رشوت خور ہوتے ہیں لیکن میانوالی جیل کے حکام، ذلیل، کمینے اور بداخلاق بھی تھے۔ ہم واویلا کرتے شور مچاتے اور احتجاج کرتے مگر قربانی کا بکرا لاکھ میں میں کرے قصاب چھری چلا کے ہی رہتا ہے۔

ایک دن جیل کے داروغہ چوہدری فضل دین نے بلایا اور بھائی سید محمد یعقوب کا راولپنڈی سے آیا ہوا خط مجھے دیا، لکھا تھا کہ تمہاری بیوی سخت بیمار ہے اور موت و حیات کو کشمکش میں مبتلا ہے۔ خط پڑھا، مگر ایک مجبور بے کس قیدی، متفکر و پریشان ہونے کے سوا جیل کی چاردیواری میں اور کیا کر سکتا ہے۔

داروغہ صاحب بولے، شاہ صاحب کیا خیال ہے؟ میں نے جواب دیا جناب پرندہ پھڑ پھڑانے کے سوا اور کیا کر سکتا ہے۔ داروغہ نے پھر کہا: نہیں سب کچھ ہو سکتا ہے۔

میں نے پوچھا وہ کیسے؟

وہ فوراً بولا یہ لو کاغذ اور قلم صرف اتنا لکھ دو کہ میں آئندہ کسی تحریک میں حصہ نہیں لوں گا۔ یہ اصل میں معافی نامہ تھا اور حکومت میری اس مجبوری سے فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ پھانسی کی کوٹھڑی میں رکھنے کے باوجود تو وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکی تھی مگر اب بیوی کی بیماری اور وہ بھی موت و حیات کی کشمکش۔

میرے لیے یہ میرے مسلک و عقیدہ کے لحاظ سے کڑی آزمائش تھی اور دین و ایمان کے اعتبار سے سخت امتحان تھا میں نے بلاتامل جواب دیا:

چوہدری صاحب جو کچھ آپ کہیں میں لکھنے کو تیار ہوں مگر آپ بھی مجھے دو حرف

لکھ دیں۔

وہ کیا؟

کہ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ آپ کی بیوی نہیں مرے گی۔ پھر داروغہ بولا بھلا ہم یہ کیسے لکھ سکتے ہیں؟

میں نے کہا تو پھر میں کیسے لکھ سکتا ہوں۔ ہو سکتا ہے یہاں معافی نامہ پر رہا ہو کر گھر جاؤں اور وہاں بیوی کا جنازہ تیار ہو نہ میرا دین رہا نہ میری دنیا۔

چوہدری صاحب بیوی کی بیماری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مجھ سے توقع نہ رکھو کہ میں آپ کو معافی نامہ لکھ دوں گا۔

داروغہ نے پھر پوچھا۔ تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا جوابی تار کے ذریعے بیوی کی اطلاع۔ جیل کے چھوٹے انسپکٹر نے یہ سب کچھ اپنے ذمہ لے کر پتہ لکھ لیا پورا ہفتہ گزر گیا اور تار کا کوئی جواب نہ آیا۔ فکر بڑھ گیا، مایوسی چھا گئی، پریشانی چھا گئی اور دل گھبرا گیا، یا الٰہی خیر ہو۔ ساتھی صحت و عافیت کی دعائیں کرتے تھے ہفتہ بعد وہ چھوٹا نگران ہمارے احاطے میں آیا میں نے پوچھا جناب بیمار کی خیریت دریافت کرنے کے لیے راولپنڈی جوابی تار دی تھی ابھی تک کوئی جواب نہیں آیا؟ اس نے بڑی لاپرواہی اور نہایت بے رخی سے جواب دیا او ہو شاہ صاحب آپ کی وہ تار ابھی تک میرے دفتر کی میز پر پڑی ہے۔

بس پھر کیا تھا جذبات بے قابو ہو گئے اور میں نے غصہ میں کانپتے ہوئے اس کے منہ پر زور سے تھپڑ دے مارا اور ساتھ ہی گرج کر کہا ذلیل کمینے اور ظالم انسان ایک مجبور و بے بس قیدی سے ایسا سنگدلانہ سلوک کرتے ہوئے تجھے شرم آنی چاہیے تم لوگ درندے ہو بھیڑیے ہو سفاک بے رحم ہو اور ظالم و کمینے ہو اور خدا جانے میں کیا کیا کہتا گیا اس لیے کہ میں پاگل ہو چکا تھا اور ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا سب ساتھی اکٹھے ہو گئے۔ گول چکر سے خطرے کی گھنٹی بج گئی۔ چھوٹے بڑے افسران اور لال ٹوپیوں والے نمبردار

دوڑتے ہوئے آگئے۔

داروغہ جیل نے پوچھا کیا ہوا ہے؟

رفیق بٹ نے ساری بات سنائی لیکن وہاں کسی کی فریاد رسی اور حق طلبی کون جانتا ہے قریب تھا کہ نمبردار پیٹیوں سے مجھ پر ٹوٹ پڑتے کہ معراج دین عرف ماجھا قصائی جو کبڈی کا مشہور کھلاڑی تھا لاہوری لہجے میں کہنے لگا: ''اے جناب جے ساڈے پیر بادشاہ نوں کچھ آکھیا گیا تے فیر چنگا نئی ہوئے گا اسیں تہاڈی اس جیل نوں اگ لا دیاں گے تے ایدیاں کنداں ڈھاہ دیاں گے اسیں پھوڑیاں لویٹ دیاں گے نالے تسیں ساڈے تے ظلم کرو تے نالے سانوں ای مارو۔''

داروغہ تھا تو بڑا بد دماغ اور ذلیل مگر خدا جانے اسے عقل کیسے آگئی موقع کی نزاکت کو بھانپ کر معہ عملہ کے چلا گیا۔

فیصل آباد کے چوہدری علی اکبر جو صدر ایوب خان کے دور حکومت میں وزیر داخلہ بھی رہ چکے ہیں ان دنوں وزیر جیل خانہ جات تھے وہ میانوالی جیل کا معائنہ کرنے آئے وہ ہمارے اچھی طرح واقف اور جان پہچان والے تھے ہم نے انہیں اپنی تکالیف بتائیں اور جیل کے حکام کے غلط رویے کی شکایت کی انہوں نے ان دونوں کا تبادلہ کر دیا اور ہمیں ''گورا بیرک'' دے دی۔ غرض یہ کہ پورا ایک سال قید بھگتنے کے بعد شمع ختم نبوت کے پروانے میانوالی جیل یعنی ''کالے پانی'' سے بخیر و عافیت رہا ہو کر اپنے اپنے گھروں میں واپس آگئے۔

طارق آباد والوں نے خوشیاں منائیں دیگیں پکائیں، دعوتیں کیں، اور چراغ جلائے۔

۹، ۱۰، ۱۱ راگست ۱۹۵۶ء کو مولانا تاج محمود نے ایک تبلیغی کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کر دیا صدر کانفرنس صاحبزادہ فیض الحسن سجادہ نشین آستانہ عالیہ آلو مہار شریف تھے اور دوسرے حضرات کے اسمائے گرامی یہ تھے:

سید عطاء اللہ بخاری، مولانا محمد علی جالندھری، قاضی احسان احمد شجاع آبادی،

مولانا لال حسین اختر، مولانا عبداللہ درخواستی اور راقم الحروف صاحبزادہ سید افتخار الحسن۔

کانفرنس دھوبی گھاٹ میں ہونی تھی مگر مقامی حکام کی بے جا مداخلت کی بدولت خالصہ کالج کے وسیع میدان میں ہوئی صاحبزادہ سید فیض الحسن بوجہ علالت تشریف نہ لا سکے اور وہ کانفرنس پھر میری صدارت میں ہوئی۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ میں باقاعدہ طور سے مجلس احرار اسلام کی ایک بہت بڑی کانفرنس کی صدارت کر رہا تھا اور عظیم الشان اجتماع سے خطاب کر رہا تھا۔

اس عرصہ میں ایک تجربہ کار مذہبی و سیاسی رہنماء بن جانے کے ساتھ ساتھ زندگی کے خطرناک سفر کے ہر موڑ سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا اور مجھ میں انتہائی مصائب و مشکلات میں بھی ثابت قدم رہنے کی صلاحیت پیدا ہو چکی تھی اور طوفان سے لڑنے کا عزم پیدا ہو چکا تھا۔

میں نے کانفرنس کے اختتام پر صدارتی تقریر کی تحریک ختم نبوت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے تحریک کے غداروں کو بے نقاب کیا حکومت وقت کی اسلام دشمنی پر تنقید کی اور قرآن مجید کی آیات کا سیاسی ترجمہ کچھ اس انداز سے کیا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری تڑپ اٹھے مولانا محمد علی اچھل پڑے اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی حیران رہ گئے۔

چونکہ تحریک کے کچلے جانے کا غم غداروں کی سازشوں کا دکھ گولیوں کی سرسراہٹ اور رسول اکرم ﷺ کی ختم نبوت کے مقدس نام پر قربان ہونے والے پروانوں کے جلے ہوئے پر اس اسلامی مملکت کی فضاء میں ابھی تیر رہے تھے اور ''ختم نبوت زندہ باد'' اور ''مرزائی کافر مردہ باد'' کے فلک شگاف نعرے پاکستان کی گلیوں میں ابھی گونج رہے تھے یتیم بچوں کی آہ و فغاں اور بیوہ عورتوں کے آنسو حکومت کے ایوانوں میں ابھی فریاد کر رہے تھے اور زخم ابھی ہرا اور غم ابھی تازہ تھا اس لیے فرزندان اسلام کے دو لاکھ کے اجتماع میں ایک طوفان برپا ہو گیا۔ آگ لگ گئی اور پھر تحریک چلنے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔

دو دن کے بعد حکومت سے ایک نوٹس پر تعمیل کرائی گئی اور حکومت کے خلاف

نفرت پھیلانے اور خلاف قانون تقریر کرنے کے جرم میں مجھے تین ماہ کے لیے کمیٹی حدود میں پابند کر دیا گیا۔

اسی پابندی کے دوران پنڈ دادن خان ختم نبوت کانفرنس کے اشتہار شائع ہوئے میرا نام سرِ فہرست اور جلی حروف میں لکھا ہوا تھا میں نے دعوت قبول کر لی اور چالیس روپے کرایہ بھی وصول کرلیا اور یہ یاد ہی نہ تھا کہ میں کمیٹی حدود سے باہر نہیں جاسکتا۔

مولانا تاج محمود تشریف لائے اور کہا کہ پنڈ دادن خان والوں کے فون پر فون اور تار پر تار آرہے ہیں اور ضرور جانا چاہیے مگر پابندی کے جال سے کس طرح نکلا جائے مجھے پھر یاد آیا کہ میں پابند ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ ان کو اطلاع دے دیں کہ میں ان شاء اللہ العزیز میں ضرور پہنچوں گا۔

جانے سے ایک دن قبل میں نے کانفرنس کا اشتہار لیا اور سیدھا پولیس کپتان کے دفتر چلا گیا پولیس کپتان نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

شاہ صاحب کیسے آئے؟

میں نے اشتہار میز پر رکھ دیا۔

کپتان کانفرنس کے اشتہار کو دیکھ کر مسکرایا اور کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحبان پھر کوئی طوفان برپا کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ میں نے کہا نہیں جناب ایسا کوئی پروگرام نہیں۔ تو پھر آپ کا دماغ تو ٹھیک ہے؟

کیوں جناب کیا آپ کے دفتر میں سب پاگل ہی آتے ہیں؟ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں میرے ہوش و حواس خمسہ ظاہری و باطنی بالکل درست اور ٹھیک ٹھاک ہیں۔ جانے کی اجازت چاہتا ہوں۔

میں کچھ نہیں کرسکتا۔ ڈپٹی کمشنر کے پاس چلے جاؤ۔ پولیس کپتان نے کہا۔

میں سیدھا ڈپٹی کمشنر کے دفتر چلا گیا چٹ بھیجی انہوں نے بلالیا اور مجھ سے پوچھا صاحبزادہ صاحب کیسے تشریف لائے ہو؟ میں نے اشتہار میز پر رکھ دیا یہ تو کانفرنس

کا اشتہار ہے۔ کیا آپ لوگ پھر کوئی تحریک چلانے کا پروگرام بنا رہے ہیں؟

نہیں جناب صرف تبلیغی کانفرنس ہے اور میں دعوت قبول کر کے کرایہ مبلغ چالیس روپے وصول کر چکا ہوں۔ تو پھر میں کیا کروں؟

جناب وہاں جانے کی اجازت عنایت فرمادیں۔

ڈپٹی بولا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ گورنر کے حکم کو میں منسوخ کردوں؟

میں نے کہا آپ اختیارات خصوصی کے تحت ایسا کرسکتے ہیں۔ ڈپٹی بولا نہیں آپ کے لیے کوئی رعایت نہیں ہے۔ آپ کے متعلق تو بہت سی شکایات آرہی ہیں کہ آپ حکومتی افسران اور پولیس کے خلاف بہت کچھ کہتے ہیں۔

میں نے کہا اچھا جناب اگر میں چلا جاؤں تو اس کی سزا کیا ہوگی؟ ڈپٹی کمشنر نے جواب دیا تین ماہ قید بامشقت۔

میں نے کہا اچھا تو پھر السلام علیکم، میں دفتر سے نکل گیا اور ارادہ کرلیا کہ تین ماہ قید بامشقت تو بھگت لوں گا مگر کانفرنس میں ضرور شریک ہوں گا۔

ڈپٹی کمشنر نے سوچا اگر اس سرپھرے مولوی نے ایسا کرلیا تو میرے پلے کیا رہے گا۔ اردلی سے کہا شاہ صاحب کو بلاؤ۔ اس نے مجھے آواز دی۔ شاہ صاحب ڈپٹی صاحب بلاتے ہیں۔

میں یہ خیال کر کے کہ کہیں پولیس بلا کے ابھی گرفتار نہ کرلے تیزی سے چلنے لگا۔ اردلی نے پھر آواز دی۔ میں ٹھہر گیا اور پھر ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں آگیا۔

میں نے پوچھا: جناب مجھے دوبارہ کیوں بلایا ہے؟ انہوں نے کہا اچھا تو آپ کانفرنس میں چلے جائیں۔ میں نے کہا جی آپ کسی کاغذ پر لکھ دیں۔

ڈپٹی بولا نہیں لکھنے کی ضرورت نہیں آپ کو اجازت ہے اور آپ جاسکتے ہیں۔

میں! نہیں جناب میں آپ کی اجازت کے بغیر نہیں جاؤں گا۔ آخر ایک کاغذ پہ مجھ سے درخواست لکھوائی اور اس پر لکھ دیا کہ صاحبزادہ سید افتخار الحسن کو پنڈ دادن خان جانے کی

اجازت ہے اور اس پر اپنی مہر لگا دی۔

اجازت نامہ میں نے جیب میں ڈالا گھر آ کر سامان لیا اور چناب ایکسپریس پر گیارہ بجے رات طے شدہ پروگرام کے مطابق ملک وال مجلس احرار اسلام کے دفتر جا پہنچا۔ مولانا محمد علی جالندھری اور قاضی احسان احمد پہلے ہی وہاں پہنچ چکے تھے کہ یہاں سے صبح پہلی گاڑی سے پنڈ دادن خان چلے جائیں گے۔

مجھے دیکھ کر وہ حیران رہ گئے صاحبزادہ صاحب چوری آئے ہو؟

نہیں سادھی آیا ہوں اور ساتھ ہی میں نے ڈپٹی کمشنر کا اجازت نامہ دکھایا۔

صبح پہلی گاڑی پر ہم تینوں سوار ہو گئے۔ وہاں ہمارے آنے کی اطلاع پہنچ چکی تھی۔ گاڑی پہلے سگنل سے آگے نکلی تو میں نے کھڑکی سے باہر سر نکال کر جھانکا تا کہ استقبال کرنے والوں کا ہجوم دیکھ لوں۔ دیکھا! تو پلیٹ فارم پر جہاں مجلس احرار کے سینکڑوں رضا کار اور شہر کے معززین کھڑے تھے وہاں کافی تعداد میں پولیس بھی ہمارا انتظار کر رہی تھی۔

جونہی گاڑی اسٹیشن پر جا رکی۔ عوام نے جوش و خروش سے استقبالیہ نعرے لگائے اور پولیس نے ہمارے ڈبہ کو گھیرے میں لے لیا۔ ایک تھانے دار آگے بڑھا اور میری تصویر مجھے دکھا کر کہنے لگا۔ یہ آپ کا فوٹو ہے؟

جی ہاں میرا ہی ہے

تو پھر آپ اپنے آپ کو گرفتار سمجھیں۔

فیصل آباد کے ڈپٹی کمشنر کا یہ تار آیا ہے کہ صاحبزادہ سید افتخار الحسن کو شہر میں داخل ہونے سے پہلے گرفتار کر لیا جائے۔

میں نے جیب سے فیصل آباد کے ڈپٹی کمشنر کا وہ اجازت نامہ نکال کر تھانیدار کو دکھایا جس میں لکھا تھا کہ صاحبزادہ افتخار الحسن کو پنڈ دادن خان جانے کی اجازت ہے۔
تھانیدار کے پاس میری گرفتاری کے وارنٹ اور میرے پاس اجازت نامہ۔

قاضی صاحب نے اس معمہ کو یوں حل کیا کہ صاحبزادہ صاحب کو اس اجازت نامہ کے تحت شہر میں جانے دیجئے اور آپ لائلپور کے ڈپٹی کمشنر سے رابطہ قائم کر کے اس مسئلہ کی مزید وضاحت کریں پھر جو حکم ہوگا اس پر عمل کریں گے۔

پولیس راضی ہوگئی اور ہم بہت بڑے جلوس اور نعروں کی گونج میں شہر چلے گئے اس کشمکش میں تقریباً بارہ بج چکے تھے۔ فیصلہ ہوا کہ خدا جانے آئندہ تھوڑی دیر میں کیا ہو۔ بلا تاخیر صاحبزادہ صاحب تقریر کر کے یہاں سے نکل جائیں۔ ایسا ہی کیا گیا اور ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ لائلپور کے ڈپٹی کمشنر نے مجھے اجازت نامہ دے کر میری گرفتاری کا حکم کیوں دیا؟

میں گھر پہنچا ہی تھا کہ پولیس گرفتار کرنے کے لیے آ گئی۔ میں نے پولیس کو ڈپٹی کمشنر کا اجازت نامہ دکھایا اور پوری بحث کی مگر پولیس نہ مانی اور گرفتار کر کے لے گئی اور آخر مجھے تین ماہ کی سزا بھگتنی پڑی۔ اس تماشے کی سمجھ نہیں آ سکی۔

سید حسین شہید سہروردی پاکستان کے وزیراعظم ہوئے تو انہوں نے غیر ملکی دورے پر ایک جاپانی لڑکی کے ساتھ ڈانس کیا یہ خبر مع تصویر کے اخباروں میں شائع ہوئی؟

میں نے اس کے خلاف تقریر کی کہ اسلامی مملکت کا وزیراعظم ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ جو غیر لڑکیوں سے بغلگیر ہو کر ناچتا پھرے۔ یہ اسلام کی توہین ہے۔ دین کی بے عزتی ہے۔ مسلمانوں کی تذلیل ہے اور پاکستان کی بے عزتی اور ہمیں ایسے عیاش اور بے غیرت وزیر کی ضرورت نہیں ہے۔ میری اس تقریر کو بھی خلاف قانون قرار دے کر مجھے تین ماہ کے لیے اپنے مکان میں بند کر دیا گیا۔

طارق آباد پولیس چوکی کے انچارج میر صاحب میری نگرانی پر مامور ہوئے صبح صبح ہی میر صاحب آ جاتے تھے آواز دیتے شاہ صاحب گھر ہی ہو؟

جی ہاں۔ گھر ہی ہوں۔

عشاء کا وقت ہوتا تو میر صاحب پکارتے۔ گھر ہی ہو! جی ہاں۔ گھر ہی ہوں۔

ایک دن میں نے میر صاحب سے کہا جناب ٹھیک ہے کہ آپ میری نگرانی پر مامور ہیں مگر سیاسی رہنماؤں اور پولیس کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے اور دونوں ایک دوسرے پر اعتماد کرتے ہیں۔ مگر آپ تو مجھے صبح و شام یوں آوازیں دیتے ہیں جیسے میں کوئی بستہ ب کا عادی مجرم ہوں۔

میر صاحب غصہ سے بولے تو اور کیا کروں۔ میری ڈیوٹی ہے اور میرا فرض ہے اور آپ بستہ ب کے عادی مجرم سے کم تو نہیں ہیں۔

قصبہ ساہیوال ضلع سرگودھا کے رئیس سید مقبول احمد شاہ ملنے کے لیے آ گئے۔

مجھے شرارت سوجھی۔ شاہ صاحب چناب ایکسپریس پر سوار ہونے کے لیے چلے تو میں بھی سید فضل شاہ کے مکان کی طرف سے منہ سر چھپا کر نہر عبور کر کے اسٹیشن پر جا پہنچا۔ میں نے شاہ صاحب سے کہا میں ٹکٹ لے آتا ہوں۔ گاڑی آ گئی وہ سیکنڈ کلاس کے ڈبے میں بیٹھ گئے اور میں نے ان کو ٹکٹ دیا ڈرائیور سے کہا کہ ریلوے پھاٹک تک اس رفتار سے چلنا ہے کہ میں آسانی سے وہاں اتر سکوں۔ ریلوے کے تمام ملازم میرے مقتدی اور عقیدت مند تھے اس نے کہا اچھا جی۔ میں بھی شاہ صاحب کے ساتھ ڈبہ میں بیٹھ گیا طارق آباد کے پھاٹک پر اترا اور چھپتا چھپاتا سید فضل شاہ کے گھر میں چھپ گیا۔

سی، آئی، ڈی نے پولیس کپتان کو اطلاع دی کہ صاحبزادہ صاحب سیکنڈ کلاس کے ڈبہ میں بیٹھ کر چناب ایکسپریس پر سرگودھا چلے گئے ہیں۔ یہ ان کی ٹکٹ کا نمبر ہے اور یہ ڈبے کا۔ حکام شہر نے فوراً وارنٹ گرفتاری جاری کر کے چک جھمرا اور سرگودھا پولیس اسٹیشنوں کو مجھے گرفتار کرنے کے لیے ٹیلی فون کر دیئے بعد میں جو کچھ ہوا وہ پولیس کی زبان سنیے۔

''گاڑی چک جھمرا اسٹیشن پر رکی پولیس نے گاڑی کو گھیر لیا۔ سی، آئی، ڈی کے بتائے ہوئے ڈبے میں پولیس گئی ڈبہ کا نمبر بھی صحیح اور ٹکٹ کا نمبر بھی درست۔ لیکن صاحبزادہ افتخار الحسن کی بجائے وہاں ایک خوبصورت بے ریش کوٹ پتلون والا نوجوان بیٹھا تھا۔

پولیس انسپکٹر نے پوچھا آپ کا نام۔

مقبول احمد شاہ

کہاں جانا ہے؟

سرگودھا اور وہاں سے قصبہ ساہیوال

اس فوٹو والے صاحبزادہ افتخار الحسن کو تو تلاش کرلو۔

سی، آئی، ڈی کی اطلاع کے مطابق ٹکٹ کا نمبر اور ڈبہ کا نمبر بالکل درست ہے مگر وہ کہاں گئے؟

کسی دوسرے مسافر نے پوچھا کیا سی، آئی، ڈی کی اطلاع غلط نہیں ہو سکتی؟

نہیں۔

چوہدری معراج دین گارڈ نے پولیس سے کہا گاڑی لیٹ ہو رہی ہے اور ساتھ ہی انہوں نے سیٹی بجا کر جھنڈی ہلا دی۔''

گاڑی چنیوٹ جا کر رکی تو وہاں بھی پولیس کو میرا پتہ نہ چل سکا پولیس اپنی جگہ اپنے آپ کو بڑی چست و چالاک اور سمجھ دار و ہوشیار سمجھتی ہے مگر آج اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا معمہ ہے ایک مولوی پولیس کو چکمہ دینے میں کیسے کامیاب ہو گیا؟

گاڑی سرگودھا پہنچی تو وہاں بھی پولیس کو ناکامی اور شرمساری کے سوا کچھ حاصل نہ ہو سکا۔

پولیس کپتان نے میر صاحب کو بلایا اور پوچھا بتاؤ صاحبزادہ افتخار الحسن کہاں ہے۔

جی۔ جی، جی کیا اپنی ڈیوٹی سے اتنی بے پرواہی؟ اور اپنے فرض سے اتنی کوتاہی؟ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمہاری سازش سے نکلا ہے۔ نہیں جناب، جناب کیا! دو گھنٹے کے اندر اندر اس کا اگر پتہ نہ چلا تمہیں معطل کر دیا جائے گا۔

میر صاحب کا رنگ فق اور پتا پانی ہو گیا گھبرائے ہوئے کبھی کہیں ٹیلیفون اور کبھی

کہیں چھاپہ۔ کبھی کوئی برقعہ پوش عورت گود میں بچہ لے کر بہانے سے ہمارے گھر آجاتی کہ شاہ صاحب سے دم کروانا ہے کبھی تین چار عورتیں تعویذ کرانے کے بہانے گھر آ کر پتہ کرتیں۔ کبھی کوئی آدمی جلسہ کی دعوت دینے کے بہانے جھنگ اور سرگودھا سے آجاتا۔ چھوٹے سے مکان کی تلاشی بھی لی گئی مگر ہزار کوشش کے باوجود بھی میرا کچھ پتہ نہ چل سکا۔

سید فضل شاہ ایک بہترین مذہبی، سیاسی اور سرگرم سماجی کارکن ہیں۔ ہر کسی کے کام آتے ہیں بڑے حوصلہ مند ہیں اور بڑی سے بڑی مشکل سے بھی نہیں گھبراتے۔ محلہ میں ان کا وقار اور پولیس میں ان کی عزت ہے اور میرے خاص الخاص عقیدت مند اور مخلص ساتھی ہیں میرے ان کے برادرانہ تعلقات ہیں۔ وہ اس راز سے پوری طرح واقف تھے مجھے کہنے لگے تھانیدار میر صاحب کا بہت برا حال ہے اور اس کے ساتھ بہت ہو چکا ہے۔ وہ معطل ہو جائے گا۔ اس کے بچے بددعائیں دیں گے۔ وہ وعدہ کرتا ہے اور یقین دلاتا ہے آئندہ صاحبزادہ صاحب کو تنگ نہیں کروں گا اب ظاہر ہو جاؤ۔

میں چھت پر سے گھر آ کر لیٹ گیا تھوڑی دیر بعد فضل شاہ اور میر صاحب آئے سید فضل شاہ نے آواز دی۔ صاحبزادہ صاحب گھر ہی ہو؟

جی ہاں گھر ہی ہوں۔ اندر تشریف لے آئیں۔

میں نے پولیس کپتان کو تحریری بیان لکھ کر بھیج دیا کہ سی، آئی، ڈی نے آپ کو غلط اطلاع دی تھی میں قطعاً کہیں نہیں گیا اور اپنے مکان میں موجود ہوں۔

سکندر مرزا کا دورِ حکومت تھا جو پاکستان کی تاریخ میں ایک مایوس کن اور سیاسی بحران کا دور تھا ہر طرف نحوست چھائی ہوئی تھی اور جہاں سیاسی طور پر سینکڑوں خرابیاں اور بدعنوانیاں تھیں وہاں مذہبی طور پر بھی یہ عالم تھا کہ

گورنر جنرل سکندر مرزا شیعہ

پنجاب کا گورنر اختر حسین شیعہ

پنجاب کا وزیر اعلیٰ نواب مظفر حسین قزلباش شیعہ

انسپکٹر جنرل پولیس سید عنایت علی شیعہ

وزیر مالیات کرنل عابد حسین شیعہ اور سٹی انسپکٹر شیعہ

اس صورتحال کے پیشِ نظر ایک نامور مقامی صحافی زندہ دل ادیب اور خوش مزاج شاعر جناب خلیق قریشی نے اپنے روزنامہ اخبار ”عوام“ فیصل آباد میں ایک اداریہ بعنوان ”پاکستان ایران کے نقشِ قدم پر“ لکھا تھا اور کسی حد تک بالکل صحیح تھا اس لیے کہ پاکستانی عوام میں یہ افواہ گرم تھی کہ پاکستان کو ”شیعہ سٹیٹ“ بنانے کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔

چنانچہ شیعہ علماء نے اسی بل بوتے پر کہ اب تو حکومت ہی اپنی ہے کھلم کھلا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سوقیانہ حملے کرنے شروع کر دیے تھے اور پھر شیعہ اقتدار کے ہی حوصلہ پر شیعہ مولوی خادم حسین نے لائلپور میں تقریر کرتے ہوئے ناموسِ صحابہ عظام پر رکیک حملے کیے اور ان کی شان اقدس میں بازاری زبان استعمال کی۔ خادم حسین شیعہ کی اس گستاخی سے شہر میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ مسلمانوں کے دل تڑپ اٹھے اور غلامانِ صحابہ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں کئی احتجاجی جلسے ہوئے اور شیعہ مولوی کے خلاف استغاثہ دائر کرنے کی تجویزیں زیرِ بحث آئیں مگر حکام شہر نے بڑی ڈھٹائی سے آنکھیں بند کر لیں اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات کی کچھ قدر نہ کی۔ جمعہ کے خطبے میں میری غیرت ایمانی نے جوش مارا اور محبت صحابہ کے سمندر میں ایک طوفان اٹھا اور میں نے سکندر مرزا کو للکارا اور شیعہ کی معتبر کتابوں کے حوالے سے شیعہ مذہب کے پرخچے اُڑا دیئے۔ اور کہا کہ سکندر مرزا میر جعفر کے اس غدار خاندان سے تعلق رکھتا ہے جس نے سراج الدولہ سے غداری کی اور یہ سکندر مرزا بھی پاکستان کا دشمن اور غدار ہے۔

میری اس تقریر کو بھی باغیانہ قرار دیتے ہوئے مجھے گرفتار کر کے گوجرانوالہ جیل میں نظر بند کر دیا گیا۔

شہر میں آگ لگ گئی۔ میری گرفتاری کے خلاف تمام مذہبی و سیاسی جماعتوں نے صدائے احتجاج بلند کی۔ بڑے بڑے پوسٹر شائع کیے گئے۔ کھلی عدالت

میں مقدمہ کا پرزور مطالبہ کیا گیا اور ہڑتال ہوئی اس سارے پروگرام کی قیادت مولانا
تاج محمود اور مولانا عبیداللہ احرار کر رہے تھے۔

صاحبزادہ سید فیض الحسن آلومہاروی نے میری جامع مسجد نور میں جمعہ پڑھایا
اور حکومت کے اس رویہ پر کڑی نکتہ چینی کی۔ اخباروں نے میری گرفتاری کو حکومت کی
انتقامی کروائی لکھا۔

شہر کی تمام مذہبی، سیاسی، سماجی، تجارتی وعلمی وادبی جماعتوں نے بھرپور احتجاج
کیا مگر مسلمانوں کے متفقہ مطالبہ کے باوجود حکومت مجھ پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلانے
پر رضامند نہ ہوسکی۔

شام سے قبل ہی مجھے اطلاع مل چکی تھی کہ آج رات کسی وقت میں گرفتار
ہوجاؤں گا۔ گھر والوں سے چوری چوری مختصر سا سامان اور چند ضروری اشیاء تیار کر کے
پولیس کا انتظار کرتا رہا۔

ادھر صبح کی اذان ہوئی اور ادھر ملک حق نواز انسپکٹر پولیس محمد یسین سی، آئی، ڈی
کے اے، ایس، آئی، ایک حوالدار اور چار سپاہی مجھے گرفتار کرنے آگئے۔

انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا آواز دی، صاحبزادہ صاحب میں نے دروازہ
کھولا۔ آؤ جی۔ بسم اللہ جی آیا نوں۔ میں آپ کا انتظار کر رہا تھا اندر آ کر وہ میری مکمل
تیاری دیکھ کر حیران رہ گئے۔ نماز پڑھی والدہ مرحومہ کے قدم چومے اور بیوی کو چند
ضروری ہدایات دے کر ہتھکڑی پہننے کے لیے ہاتھ آگے کر دیئے۔ پولیس کی بند گاڑی
میں سوار ہوکر کسی جیل خانہ کو روانہ ہوگئے۔

میں نے محمد یسین سے پوچھا کہاں کا پروگرام ہے۔

کچھ پتہ نہیں ہے۔ اس نے جواب دیا۔

میرا خیال تھا کہ لاہور لے جائیں گے لیکن جب شیخوپورہ سے گوجرانوالہ کی
جانب گاڑی مڑی تو سمجھا کہ آخری منزل سیالکوٹ یا گجرات ہوگی مگر گاڑی وہاں جا کر رکی

جہاں کا مجھے وہم وگمان تک نہ تھا اور جو ایک گھٹیا قسم کی بوسیدہ جیل ہے اور جہاں نہ تو بی
کلاس کا صاف ستھرا احاطہ ہے اور نہ ہی معزز اور سیاسی قیدیوں کی سہولت کا کوئی بندوبست
ہے۔ یعنی گوجرانوالہ جیل۔

یہی وجہ ہے کہ میں وہاں نظر بند تو رہا ہوں مگر کوئی لطف اور مزا نہ آیا ضروری
کاغذات کی خانہ پری اور اسیر گیسوئے صحابہ کی وصولی پا کر مجھے ایک گندے سے کمرے
میں بند کر دیا گیا۔ تین بجے دوپہر تک تو کسی نے نہ پوچھا کہ کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟
کیوں آئے ہو؟ کیا جرم ہے اور کیا حال ہے؟ تین بجے کے بعد لوہے کی سلاخوں کا جنگلہ
کھلا اور عجیب قسم کا کھانا پیش کیا گیا۔ داروغہ جیل سید جہانگیر شاہ، ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ
''پال'' جو عیسائی تھا اور عملہ کے دو چار دوسرے افراد آئے۔ میرا وزن کیا گیا۔ جسم کے
داغ اور نشان دیکھے گئے اور فوٹو ملایا گیا۔

جہانگیر شاہ نے کہا صاحبزادہ صاحب میں شیعہ ہوں اور آپ شیعہ مذہب اور
حکومت کے خلاف باغیانہ تقریر کے جرم میں گرفتار ہو کر یہاں آئے ہیں۔ اگر کسی قسم کی
کوئی کمی بیشی یا کوتاہی ہوگئی تو میں بدنام ہو جاؤں گا کہ شیعہ سپرنٹنڈنٹ نے تعصب وعناد
سے کام لیا اس لیے آپ ہمارے پاس دو مہینے رہیں یا دو سال میں آپ کے پاس دوبارہ
نہیں آؤں گا۔ کیونکہ میں اخباروں میں آپ کے متعلق بہت کچھ پڑھ چکا ہوں۔ چھٹی پر
جا رہا ہوں۔ آپ جانیں اور پال صاحب!

اور پھر واقعی وہ چھ ماہ تک نہیں آئے۔ پہلی رات تو خاموش اور بے چون وچرا
گذاری، اگلا دن ہوا تو پھر گھوڑوں کو دینے والے مصالحے سے ملتی جلتی کوئی چیز کھانے
کے لیے آئی جو کوشش کے باوجود نہ کھائی گئی۔ نمبردار کی معرفت پیغام بھیجا کہ میں آپ
سے ملنا چاہتا ہوں۔ دفتر آنے کی اجازت مل گئی۔ تو میں گیا۔ شاہ صاحب کیا بات ہے؟
جناب میری B کلاس ہے لیکن مجھ سے عام اخلاقی مجرم قیدیوں جیسا سلوک کیا
جا رہا ہے۔

پال نے جواب دیا نہیں آپ کی بی کلاس نہیں سی کلاس ہے۔ میں نے اسے اپنے وارنٹ گرفتاری دکھاتے ہوئے کہا دیکھو پال صاحب صاف لکھا ہے سلوک دو کلاس۔ جواب ملا دو کا مطلب تین ہے۔

میں نے حیران ہو کر کہا جناب حکومت نے نئے فیگرز ایجاد کیے ہیں؟

نہیں!

تو پھر دو کا مطلب تین کیوں؟

دفتر کے چند دوسرے ملازموں نے بھی میری بی کلاس کی تصدیق کر دی مگر پال صاحب بھی تو آخر جیل کے افسر تھے وہ نہ مانے اور آخری جواب یہ دیا کہ میں اتنا کر سکتا ہوں کہ آپ کو کچا راشن دے دیا کروں اور آپ خود پکا لیا کریں یا کوئی آدمی لے لیں اور بس۔

یہ سوچ کر منظور کر لیا کہ چلو عام قیدیوں کی بیہودہ، ناقص، مضر صحت اور غیر انسانی خوراک سے کچا راشن بہتر ہے۔

بیگ پور ضلع شیخوپورہ کا ایک مشہور ڈاکو دارا جو سات سال کی قید بھگت رہا تھا نمبردار کے طور پر اور ساتھ ایک لانگری مجھے دے دیا گیا۔

ٹوٹی ہوئی چھت والا کمرہ، تنگ سا احاطہ، بوسیدہ سا باورچی خانہ غیر قلعی شدہ کالے سیاہ برتن اور سلور کی صدیوں پرانی دیگچی اور دوسرا سامان مل گیا۔ صبح ہوئی تو جیل کا ٹھیکیدار کچا راشن دے گیا۔ مگر ان گندے، غلیظ اور کالے برتنوں میں پکانے کو جی نہ چاہا۔ نمبردار سے ایک روٹی لی اور شکر سے کھالی۔ جیل کے قاعدے کے مطابق سوموار کو صبح دس بجے سپرنٹنڈنٹ یا اس کی عدم موجودگی میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ قیدیوں کی پریڈ دیکھنے ہر احاطہ میں جاتے ہیں اور ان سے پہلے جیل کا ہیڈ وارڈر معائنہ کرتا ہے۔ اگرچہ یہ قانون سیاسی قیدیوں پر لاگو نہیں ہوتا مگر جیل کے افسران اپنی برتری ثابت کرنے اور اپنی ساکھ برقرار رکھنے کی خاطر ان کی پریڈ بھی دیکھتے ہیں۔ پریڈ کیا ہے؟ احاطہ کی صفائی، برتنوں کی صفائی، کمرہ کی صفائی، کپڑوں کی صفائی اور برتنوں کو ایک خاص قرینہ سے رکھنے کو جیل کی

اصطلاح میں "پریڈ" کہتے ہیں۔

ہیڈ وارڈر میرے کمرے میں بھی آیا۔ دیکھا تو نہ احاطے میں پوچا، نہ کمرے میں جھاڑو، نہ صاف ستھرے کپڑے اور نہ برتنوں کی صفائی۔

دبلا پتلا سا بدن، سیاہ رنگ، لمبی لمبی مونچھیں بھیانک صورت ڈراؤنی شکل اور منحوس چہرے والا ہیڈ وارڈر۔ اگر کسی روتے ہوئے بچے کے سامنے کر دیا جائے تو وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جائے اور اگر کسی گلی میں سے گذر جائے تو لوگ ڈر کے مارے کوئی بلا سمجھ کے دروازے بند کر لیں۔ جانور رسے توڑ کر بھاگ جائیں اور جن بھوت بھی دیکھ کر حیران ہوں کہ یہ کون سی مخلوق ہے۔

مجھ سے کہنے لگا مولوی جی پریڈ کیوں نہیں لگائی؟ اور برتن صاف کیوں نہیں کیے؟

میرا پارہ تو پہلے ہی چڑھا ہوا تھا اور دل گرم تھا اور قصداً گڑبڑ کرنا چاہتا تھا میں نے جواب دیا۔ جناب پریڈ کرنا فوج اور پولیس کا کام ہے اور برتن دھونا عورتوں کا کام ہے۔

وہ غصے سے بولا پریڈ لگانی پڑے گی۔

میں نے تحمل سے جواب دیا نہیں جناب۔

کیوں؟ اس لیے کہ میں کوئی چوہڑا یا چمار نہیں ہوں کہ ان پرانے اور غیر قلعی شدہ گندے، غلیظ اور کالے سیاہ برتنوں کو صاف کرتا پھروں۔ اس نے پھر کہا ان برتنوں میں کھانا تو پکا لیتے ہو مگر صاف کیوں نہیں کرتے؟

جناب میں نے ان میں نہ ہی پکایا ہے اور نہ ہی کھایا ہے اور اگر پریڈ لگوانی ہے اور برتن صاف ستھرے دیکھنا چاہتے ہو تو پھر یہ برتن اپنے گھر لے جاؤ اور گھر کے برتن مجھے لا دو۔

وہ اب جیل کے عملہ کے عادات و خصائص اور اس کے مخصوص لب و لہجہ پر اتر آیا تھا اپنے مکروہ اور منحوس بوتھے پر شکن ڈالتے ہوئے کڑک کر بولا۔

مولوی توں تاں انج گلاں کرنا ایں جیویں سوہرے آیا ہویاں ایں۔

میں نے بھی ذرا مزاحیہ رنگ میں جواب دیا۔

جناب رہن لئی کمرہ مفت

کھان لئی خوراک مفت

پکان لئی لانگری مفت

بیماری لئی علاج مفت

حجامت مفت اور خدمت لئی نوکر مفت

تے فیر سوہرے نئیں تے ہور کی اے

بات توں توں میں میں سے بڑھ کر ہاتھا پائی تک پہنچنے ہی والی تھی کہ پال آ گیا اور پوچھا:

کیا بات ہے؟ کیوں جھگڑتے ہو؟

میں نے برتن دکھاتے ہوئے شکایت کی مگر وہ چوہڑا صفائی، پاکیزگی اور طہارت کو کیا جانے اس نے بھی بڑی بے اعتنائی سے کہہ دیا کہ ہمارے پاس تو یہی کچھ ہے اور اگلے سوموار کو پریڈ لگانی ہوگی۔

دو دن کے بعد ساری جیل میں شور مچ گیا کہ اس جمعرات کو انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات کرنل سید بشیر احمد گوجرانوالہ جیل کا معائنہ کرنے آ رہے ہیں۔ حکام، جیل افسران اور دوسرے عملہ کے لیے ایک مصیبت بن گئی۔ اِدھر دوڑ، اُدھر دوڑ یہ کرو وہ کرو چونا لاؤ، گیری لاؤ، راستے بناؤ، گملے رکھو، دفتر کی صفائی، میز کرسیوں کی سجاوٹ، احاطوں میں جھاڑو اور قیدیوں سے اچھا سلوک ہونے لگا۔

میں نے لانگری کو بتایا کہ کرنل صاحب میرے رشتہ دار ہیں۔ اس نے پال کو بتا دیا۔

پال فوراً میرے احاطہ میں گھبرایا ہوا آیا اور پوچھا شاہ جی سنا ہے کہ کرنل

صاحب آپ کے رشتہ دار ہیں۔

جی ہاں۔

وہ کیسے؟

ان کی صاحبزادی سیدہ نسیم کی شادی پچھلے سال آٹھ مارچ کو سید محمد ظفر شاہ ایڈووکیٹ سے ہوئی تھی اور سید محمد ظفر شاہ میرے ماموں زاد بھائی ہیں اور میں بھی اس شادی میں شریک ہوا تھا۔ بات بالکل ٹھیک تھی اور جیلوں کے تمام حکام مع پال کے اُس شادی میں شریک تھے۔

تیر نشانے پر لگا پال کا رنگ اڑ گیا۔ لگا جی جی کرنے۔ شاہ صاحب ہم آپ کے خادم ہیں، آپ ہمارے مہمان ہیں اور ابھی سے آپ کو B کلاس دے دیتا ہوں اور ہر چیز مہیا کر دیتا ہوں آئندہ آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ خدا کے لیے کرنل صاحب سے کوئی شکایت نہ کرنا۔

ہیڈ وارڈر بھی آ گیا شاہ صاحب اس دن ذرا آپ سے تلخ کلامی ہو گئی تھی معافی چاہتا ہوں۔

فٹافٹ بی کلاس ہو گئی۔ کھلا احاطہ پھول دار گملے، صاف ستھرا کمرہ، پلنگ کرسیاں میز کتابیں اخبار اور نئے قلعی شدہ برتن بھی مل گئے اور مابدولت اس کمرے میں ایسے بیٹھ گئے جیسے کوئی بہت بڑا تاجر لاہور کے "گلستان ہوٹل" میں ٹھہرا ہوا ہو۔

تدبیر تو میری کام آ گئی اور کام بھی میرا بن گیا مگر دعائیں کرتا تھا کہ یاالٰہی کرنل صاحب نہ ہی آئیں تو اچھا ہے۔ اس لیے کہ شادی والی بات تو ٹھیک تھی لیکن میرا ان سے کوئی تعارف نہ تھا پھر سوچتا کوئی بات نہیں۔ آئیں گے تو اپنا تعارف خود کرا لوں گا۔

جمعرات آ گئی جیل کو ہر لحاظ سے ٹھیک کر دیا گیا تھا سارا عملہ پھر گھبرایا ہوا میرے پاس آیا اور پھر منت سماجت کی کہ کرنل صاحب سے شکایت نہ کرنا اور ہم نے آپ کے حساب میں پچاس روپے جمع کر دیئے ہیں جو اتنے دنوں کی بی کلاس کے تھے۔

اچھا جی مہربانی میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کرنل صاحب سے کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں کروں گا۔

گیارہ بجے جیل کے تمام افسران اور ملازمین کرنل صاحب کا استقبال کرنے کے لیے باہر گوجرانوالہ سیالکوٹ روڈ پر کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد پتا چلا کہ کرنل صاحب آئے تھے مگر پھر کسی دن آنے کا وعدہ کر کے سیدھے راولپنڈی چلے گئے ہیں۔

شکر کیا چلو اچھا ہوا کہ بھرم رہ گیا۔

سید فضل شاہ اور حافظ منظور احمد ملاقات کے لیے گوجرانوالہ جیل آئے مگر ہزار کوشش کے باوجود ان کو ملاقات کی اجازت نہ مل سکی۔ وہ واپس چلے گئے اگلے دن فیصل آباد پولیس نے ان دونوں سے پوچھ گچھ شروع کر دی اور بولے کہ گوجرانوالہ کی سی، آئی، ڈی نے ہمیں اطلاع دی ہے کہ آپ بغیر اجازت کے صاحبزادہ افتخار الحسن سے دو گھنٹے ملاقات کر کے آئے ہیں۔ انہوں نے بڑی مشکل سے جان چھڑائی۔

چھ ماہ بعد رہائی ہو گئی۔

۲۶،۲۵،۲۴ دسمبر ۱۹۶۰ء کو چنیوٹ میں سالانہ ختم نبوت کانفرنس ہو رہی تھی۔ جو اپنی مثال آپ ہوا کرتی ہے اسے ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے اور اس میں چنیوٹ کے عوام، معززین امراء بچے بوڑھے جوان اور عورتیں تک حصہ لیتی ہیں۔ تقریباً ملک کے ہر علاقہ کے لوگ اس کانفرنس میں شریک ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ انگریزی اور جعلی نبوت کا مرکز چنیوٹ کے قریب ربوہ میں ہے۔

آخری رات میری خصوصی تقریر تھی۔ ڈپٹی کمشنر جھنگ نے پورے ضلع میں دو ماہ کے لیے میرا داخلہ بند کر دیا۔ نوٹس جاری ہو چکا تھا صرف تعمیل ہونی باقی تھی۔ مجلس احرار کے جاسوسی دستہ نے اطلاع دی کہ پولیس نوٹس پر تعمیل کرانے آ رہی ہے اور تعمیل کرانے سے پہلے ہی نکلنا ہے۔ فیصلہ ہوا کہ مغرب کی نماز کے بعد ایک کار اور کار میں دو عورتیں اور تین بچے ہوں گے۔ میں بھی زنانہ لباس پہن کر اور سفید رنگ کا دیسی برقعہ

اوڑھ کر اس کار میں سوار ہو کر چنیوٹ پہنچ جاؤں۔ مغرب کی نماز میں نے تین نمبر گلی کے کار والے مکان میں پڑھی احراری رضا کار زنانہ سوٹ، زنانہ سینڈل اور سفید دیسی برقعہ پہلے ہی دے گئے تھے۔

پولیس چار نمبر گلی کی طرف سے داخل ہوئی اور ہم تین نمبر گلی سے نکل گئے۔ ریشمی سوٹ زنانہ سینڈل اور دیسی برقعہ اور اس طرح صاحبزادہ افتخار الحسن بھیس بدل کر اپنی اسلامی حکومت کی پولیس سے بچ بچا کر چنیوٹ پہنچ گیا۔

پولیس نے ناکہ بندی کر رکھی تھی اور ہماری کار پولیس کے کئی دستوں کے پاس سے گذرتی ہوئی چنیوٹ کی شاہی جامع مسجد کی پچھلی گلی میں جا کر رکی۔ پولیس خوبصورت کار میں عورتیں اور بچے دیکھتی مگر چنیوٹ کے کسی مل مالک شیخ کے بچے سمجھ کر راستہ دے دیتی۔ ایک شیخ صاحب کے مکان میں لباس تبدیل کیا۔ مجلس احرار کے خفیہ دستہ نے خبر دی کہ صاحبزادہ صاحب کے چنیوٹ پہنچنے کی اطلاع پر جھنگ کے ڈپٹی کمشنر نے صاحبزادہ صاحب کی گرفتاری کا حکم دے دیا ہے اور پولیس نے مسجد کو گھیرے میں لے لیا ہے۔

اب گرفتاری سے بچنے کے لیے یہ منصوبہ کیا گیا کہ شیخ صاحب نے اپنے گھر کی تمام بہو بیٹیوں کو سمجھایا کہ مسجد کی گیلری میں جا کر بیٹھو جونہی صاحبزادہ صاحب تقریر ختم کریں گے ہم مسجد کی بتیاں بجھا دیں گے اور اس اندھیرے میں صاحبزادہ صاحب کو تمہارے پاس پہنچا دیا جائے گا۔ یہ سفید برقعہ ان کو پہنا کر ان کو اپنے جھرمٹ میں لے لینا۔ پھر روشنی کر دی جائے گی اور صاحبزادہ صاحب کو اپنے جھرمٹ میں مکان میں لے آنا۔ یہ منصوبہ کیوں بنایا گیا۔ اس لیے کہ حکومت مجھے گرفتار کرنا چاہتی تھی اور چنیوٹ کے تاجر سیٹھ اور شیخ کہتے تھے کہ اگر صاحبزادہ صاحب یہاں سے گرفتار ہو گئے تو ہماری بے عزتی ہے۔ اجلاس شروع ہو گیا مولانا محمد لقمان کی تقریر کے بعد مولانا منظور حسین نے رات گیارہ بجے میرا اعلان کیا۔ ابھی تک لوگوں کو یہ ہی پتہ تھا کہ صاحبزادہ افتخار الحسن نہیں آئیں گے کیونکہ ان کا داخلہ بند ہے اس لیے محراب کی طرف سے اچانک اسٹیج پر

دیکھ کر لوگ خوشی کے مارے اچھل پڑے اور تخت و تاج ختم نبوت کے فلک شگاف نعروں سے چنیوٹ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

پولیس ہکہ بکہ رہ گئی۔

رات کے ایک بجے تقریر ختم ہوئی تو طے شدہ پروگرام کے مطابق دفعتاً مسجد کی تمام بتیاں گل ہوگئیں رضا کاروں نے مجھے اٹھایا اور مستورات میں لے گئے بتیاں پھر روشن ہوگئیں۔ یہ سب کچھ ایک آن واحد میں ہوا۔ پولیس سمجھ نہ سکی کہ کیا ہوا ہے اور کیسے ہوا ہے اور نہ ہی عوام کو پتہ چل سکا کہ ماجرا کیا ہے میں پھر سفید دیسی برقعہ اوڑھ کر مستورات کے جھرمٹ میں شیخ صاحب کے مکان میں آ گیا۔

پولیس نے باہر نکلنے کے ہر راستہ کی ناکہ بندی کر دی۔ دوستوں نے چکر لگایا اور حالات کا جائزہ لیا۔ شمال کی طرف نکلنے والی گلی پر متعین ایک حوالدار اور تین سپاہیوں سے ملے حوالدار پولیس کے ''روایتی پروگرام'' کے مطابق مجھے باہر نکالنے پر رضامند ہو گیا اور اس نے خود تجویز بتائی کہ ٹھیک تین بجے آپ صاحبزادہ صاحب کو لے کر گلی کے کارنر والے مکان میں آ جائیں میں اس دوسری گلی کے اندر جا کر سیٹی بجاؤں گا سپاہی ادھر چلے جائیں گے اور آپ صاحبزادہ صاحب کو اس گلی سے نکال کر لے جائیں۔

اس پروگرام کو چنیوٹ والوں نے بڑے احسن طریقہ اور خلوص و عقیدت سے نبھایا اور مجھے پولیس کے گھیرے سے نکال کر ایک ریڑھے پر بٹھا کر ضلع جھنگ کی حدود سے باہر چک نمبر ۲ رام دیوالی میں لے آئے۔ سخت سردی تھی رات کا باقی حصہ ایک سکول کے برآمدے میں گذرا اور صبح پہلی گاڑی سے فیصل آباد آ گئے۔

اس دن اخباروں کی شہ سرخیاں تھیں۔

''صاحبزادہ افتخار الحسن روپوش ہو گئے۔ پولیس ان کا پیچھا کر رہی ہے۔''

''صاحبزادہ افتخار الحسن کو اشتہاری مجرم قرار دے دیا گیا۔''

چنیوٹ کی شیخ برادری اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے بہادر رضا کاروں کا یہ کارنامہ

قابل تحسین و آفرین ہے۔

اگلے دن جمعہ تھا اور جمعہ کے فوراً بعد دیکھا تو مسجد نور کے اردگرد پولیس گرفتاری کے لیے کھڑی تھی۔ میں نے سمجھا جو کام کرنا تھا وہ تو ہو گیا اب چھپنے میں بے عزتی ہے میں نے بڑھ کر خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا۔ پولیس گرفتار کر کے جھنگ لے گئی۔ چند دن کے بعد ملتان تبادلہ ہو گیا۔

جھنگ والوں نے ضمانت کی درخواست ہائیکورٹ میں دے رکھی تھی۔ چار مہینوں کے بعد تاریخ نکلی اور مجھے رہا کر دیا گیا۔

سابق صدر محمد ایوب خان کا دور حکومت تھا اور نواب ملک امیر محمد خان آف کالا باغ مغربی پاکستان کے گورنر تھے اگرچہ وہ دور پاکستان کی تعمیر و ترقی، فلاح و بہبود اور بین الاقوامی لحاظ سے استحکام و وقار کا دور تھا لیکن حکمران ٹولہ میں کچھ ایسے ناپسندیدہ لوگ بھی شامل ہو چکے تھے جو اندرون کھانہ اسلام کے باغی، دین کے دشمن اور اسلامی نظام کے مخالف تھے۔ چنانچہ ۹ جنوری ۱۹۶۳ء کو اسلامی سلطنت پاکستان کے مسلمانوں کے نمائندوں نے ملک امیر محمد خان گورنر مغربی پاکستان کی زیر صدارت صوبائی اسمبلی کے اجلاس لاہور میں ایک بل پاس کیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ ''اگر کوئی شخص کسی منکوحہ عورت سے زنا کرے اور اس عورت کا خاوند اگر اس زانی کو معاف کر دے تو اس کو شرعاً اور قانوناً کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔''

یہ غیر اسلامی، کافرانہ اور مسلمانوں کی غیرت ایمانی کو چیلنج کرنے والا بل پاس ہوا۔ اخباروں نے دبے قلم سے معمولی سی خبر کے طور پر شائع کیا اور اس کے خلاف کہیں سے بھی کوئی آواز نہ اٹھی۔ یہاں تک کہ پاکستان میں اسلام کی سب سے بڑی ٹھیکیدار جماعت اور اسلام کے لیے سب سے زیادہ دہائی دینے والی تنظیم ''جماعت اسلامی'' بھی خاموش رہی۔

رمضان المبارک کا دوسرا جمعۃ المبارک تھا اور بجلی گھر کا وسیع میدان ایک لاکھ

سے زیادہ فرزندانِ توحید و رسالت کا اجتماع تھا قرآن پاک میرے ہاتھ میں تھا ورزانی کو "رجم وسنگسار" کرنے کی آیات میری زبان پر اور پھر میں نے انجام سے بے نیاز اور زندگی وموت سے بے پرواہ ہو کر اور حق وصداقت کی آواز کو ذریعہ نجات سمجھتے ہوئے اپنی پوری غیرت ایمانی سے ولولہ انگیز اور ایمان افروز تقریر کی۔

حکمران ٹولے کو مخاطب کر کے میں نے کہا کہ تم نے یہ غیر دینی بل پاس کر کے نا صرف اسلام اور شریعت مصطفی ﷺ سے مذاق کیا ہے بلکہ اس اسلامی مملکت میں زنا و بدکاری کے لیے عام دروازے کھول دیئے ہیں اور جس قرآن کے نام پر تم نے ملک حاصل کیا ہے اب اسی قرآن کو ٹھکرا کر قہر الٰہی کو آواز دے رہے ہو اور جس اسلام کی دہائی دے کر تم نے مسلمانوں سے ووٹ مانگے تھے اب اسلام سے بغاوت کر کے جہنم کی آگ کا ایندھن بن رہے ہو اور سن لو۔

گورنر کی مونچھوں سے تو بغاوت ہو سکتی ہے لیکن محمد مصطفی ﷺ کی زلفوں سے بغاوت نہیں ہو سکتی۔

یکم فروری ۱۹۶۳ کو ۲ بجے دوپہر میں سید فضل شاہ کے ڈیرے پر بیٹھا تھا کہ سی، آئی، ڈی کے انسپکٹر چوہدری محمد حسین اور ان کے ساتھ ایک اور صاحب آئے۔ چوہدری صاحب نے آتے ہی مجھے کہا کہ ذرا چوہدری غلام مرتضیٰ کے پاس چلنا ہے ایک ضروری کام ہے۔

میرے دل میں کھٹک گئی اور کوئی بہت بڑا خطرہ محسوس کرتے ہوئے ان کے ساتھ چوہدری غلام مرتضیٰ کے مکان پر آ گیا ان کے پاس ڈاکٹر سید محمد ارشاد بھی بیٹھے ہوئے تھے اندر داخل ہوتے ہی چوہدری محمد حسین نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا نکالو جی کاغذات میں نے پوچھا زبان بندی ہے؟

نہیں گرفتاری ہے۔

میں نے پھر سوال کیا۔

کہاں جانا ہے؟

شاہی قلعہ لاہور!

چوہدری غلام مرتضیٰ نے پوچھا وہاں کیا ہوگا؟

صرف پوچھ گچھ ہوگی۔

شاہی قلعہ لاہور کا نام سن کر سچ ہے کہ دل دھڑکنے لگا اور میں گھبرا گیا۔ اسلیے کہ میں اچھی طرح جانتا تھا۔ وہاں کیا ہوتا ہے اور وہاں "پوچھ گچھ" کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ پھر ملک امیر خان کے ظلم وستم سے بھی میں اچھی طرح واقف تھا۔

مولانا گل شیر مرحوم کا قتل، پیر آف مکھڈ شریف کی موت اور لال خان کی ہلاکت یاد آ گئی۔ اور شاہی قلعہ میں علامہ عنایت اللہ خاں مشرقی پر کیا گزری اور چند ہی دن پہلے کسان کمیٹی کے صدر حسن ناصر کو کیسی کیسی اذیتیں دے کر شہید کیا گیا۔ ان سب واقعات کی تصویریں ایک ایک کر کے میری آنکھوں کے سامنے آ گئیں۔

میں نے درخواست کی کہ مجھے ذرا گھر جانے کی اجازت دی جائے تا کہ ضروری سامان لے سکوں۔

لاہور سے آنے والے تھانیدار نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اب آپ یہاں سے ایک قدم بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتے۔

بعد میں چوہدری محمد حسین اور چوہدری غلام مرتضیٰ اور ڈاکٹر سید محمد ارشاد کی ذمہ داری پر وہ مان گئے۔

میں ان کی حراست اور دوستوں کی رفاقت میں گھر آیا اور گھبرائے ہوئے دل سے پریشانی کے عالم میں سامان باندھنا شروع کیا۔ بیوی نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟

حقیقت کو چھپاتے ہوئے میں نے کہا لاہور۔

میرے چہرے کی پریشانی دل کی گھبراہٹ اور سامان باندھنے کے انداز سے وہ بیچاری سمجھ گئی اور سمجھتی بھی کیوں نہ اس لیے کہ اس سے پہلے بھی وہ کئی بار یہ تماشا دیکھ چکی تھی۔

بیوی نے پوچھا یہ ساتھ کون ہیں؟

چوہدری غلام مرتضیٰ اور ڈاکٹر ارشاد۔ نہیں اور بھی ہیں۔

آپ مجھ سے چھپاتے کیوں ہیں سچ بتائیں کیا بات ہے؟ میں نے اصل حقیقت حال واضح کرتے ہوئے بتادیا کہ میں گرفتار ہوکر ''شاہی قلعہ'' لاہور جارہا ہوں۔ اور دیکھو تم ایک بہادر اور غیرتمند عورت ہو اور تم نے ہمیشہ ایک حوصلہ مند اور وفادار بیوی کی طرح میرا ساتھ دیا ہے اور ہر مصیبت اور مشکل میں ثابت قدم رہی ہو اب بھی اس طرح صبر وسکون اور عزم وحوصلہ سے دن گذارنا۔

اگرچہ وہ مکلاوے سے لے کر آج تک میری وجہ سے نازل ہونے والی ایسی ہر مصیبت کو برداشت کرنے کی عادی ہو چکی تھی اور انتہائی تنگی وعسرت میں بھی گھر کے وقار کو قائم رکھنے کی صلاحیت پیدا کر چکی تھی مگر آج ''شاہی قلعہ لاہور'' کا نام سن کر وہ بھی حوصلہ ہار بیٹھی تھی۔

میں نے کہا اچھا خدا حافظ۔

باہر نکلے تانگہ لیا اڈے پر پہنچے اور بس پر سوار ہوکر براستہ جڑانوالہ زندگی اور موت کی ''جنگ دست بدست'' میں ہار جیت کا فیصلہ دیکھنے کے لیے لاہور روانہ ہوگیا۔

گرفتار کرنے والا تھانیدار کسی اچھے خاندان کا ایک شریف انسان تھا۔ جڑانوالہ والا پہنچے تو اس نے کہا شاہ صاحب آپ کے خرچ کے لیے میرے پاس پچاس روپے ہیں جن کو آپ قانونی طور پر خرچ کر سکتے ہیں روزہ افطار کرنے کا وقت ہورہا ہے آپ جو پسند کریں میں لے دیتا ہوں۔

موت کے سائے میں جانے والا بھلا کیا پسند کرتا دو چار مالٹے اور ایک پاؤ گنڈیریاں لے لیں۔ ''بچیکی'' جا کر روزہ افطار کیا اور مغرب کی نماز بھی وہیں پڑھی رات کے ساڑھے آٹھ بجے ہم لاہور پہنچ گئے۔ بس سے اترے تو تھانیدار نے پھر کہا صاحبزادہ صاحب کھانا کھانے کے لیے جس ہوٹل میں آپ جانا چاہتے ہیں میں لے چلتا ہوں۔

ملک امیر محمد خان گورنر مغربی پاکستان کے پنجۂ استبداد میں پھنسا ہوا انسان بھلا کسی ہوٹل کے عشرت کدہ میں کیسے جاسکتا ہے۔

قربانی کا بکرا تو چاند نکلتے ہی کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے۔ وہیں سے دو چار لقمے بڑی مشکل سے اگل نگل کیے۔ ٹیکسی پر شاہی قلعہ آگئے۔ دروازہ کھلا اور دفتر پہنچے موت کے فرشتوں نے گھیرا ڈال لیا۔ جلادوں نے سنگینیں تان لیں۔ سپاہیوں نے بیڑیاں چھنکائیں اور پہرہ داروں نے بندوقیں سیدھی کرلیں۔

ملزم کی وصولی کے کاغذات مکمل ہو گئے تو گرفتار کر کے لانے والے تھانیدار نے بڑے ادب واحترام سے کہا۔ لو صاحبزادہ صاحب میرا کام ختم ہوگیا ہے اب آپ جانیں یا شاہی قلعہ اور راستہ میں اگر کوئی گستاخی یا کوتاہی ہوگئی ہو تو معاف کر دینا۔ دفتر کی گھنٹی بجی اور دو ہٹے کٹے سپاہی سنگینیں تانے نمودار ہوگئے اور پھر میں رات کے ساڑھے نو بجے انہیں سنگینوں کے سائے میں لاہور کے شاہی قلعہ کے خوفناک راستوں سے گذرتا ہوا ایک گنبد نما کمرہ میں بند ہوگیا ایک گھڑا، ایک پیالہ، ایک لوٹا، ایک بوسیدہ سی صف، اور دو کمبل دے دیئے گئے اور لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں کو دو سیر وزنی تالا لگا دیا گیا۔ گویا شیر پنجرے میں بند کر دیا گیا۔

یہ زمانے کے عجیب انقلابات ہیں کہ لاہور کے جس شاہی قلعہ میں کبھی مغلیہ خاندان کے بادشاہوں کی شان وشوکت مسلمان حکمرانوں کی ہیبت وعظمت اور جہانگیر و شاہجہاں کے جاہ وجلال کے نقارے بجتے تھے اور جس کے ''دیوانِ عام'' اور ''دیوانِ خاص'' کے رنگین ودلفریب چبوتروں پر مسلمان فرمانرواؤں کے عدل وانصاف کے موتی بکھرتے تھے اور جس میں مغل شہزادوں کی بارہ دریوں سے ان کی بہادری و شجاعت اور سپہ گری اور شمشیر زنی کا شور اٹھتا تھا اور جس کے خوبصورت اور خوشنما جھروکوں میں عفت مآب شہزادیوں کی شرم وحیا اور عصمت وغیرت کے لعل وجواہر چمکتے تھے آج لاہور کے اسی شاہی قلعہ کی دیواروں پر انسانیت کے خون کے دھبے نظر آتے

ہیں اور ''زیرتفتیش'' کوڑے کھانے والے ملزموں کی چیخ وپکار سنائی دیتی ہے اور جبر وتشدد کے خونی پنجے انسانی گوشت کی بوٹیاں نوچتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور ہر وقت موت کے سائے مسلط رہتے ہیں اور وحشت و بربریت کے دیو اپنے تیز دانتوں سے آدم کے بیٹوں کی ہڈیاں چباتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایک صاحب آئے اور مجھ سے پوچھا۔

کیوں جی روزے رکھو گے؟

جی ضرور۔

میرے کمرے کے بالکل سامنے پولیس کی پوری گارڈ کا کمرہ تھا ایک سنتری تین گھنٹے میری نگرانی کرتا تھا اور یہ سلسلہ دن رات جاری رہتا تھا۔ ہر ہفتہ کے بعد پہلی گارڈ کو تبدیل کر کے دوسری کو متعین کر دیا جاتا۔

کمرہ میں بجلی جل رہی تھی جس کا بلب تو میرے کمرہ میں تھا اور بٹن کسی اور جگہ اور بجلی ساری ساری رات جلتی رہتی تھی۔ تاکہ پہرے دار سنتری میری ہر نقل و حرکت کو دیکھتا رہے۔

پہلی رات میرے لیے قیامت کی رات تھی ہر لحظہ جان کا خطرہ، ہر گھڑی موت کا انتظار، ہر آن ہلاکت کا ڈر اور ہر ساعت گولی کا خوف۔ ایک پھٹا پرانا اور بدبودار کمبل آہنی جنگلے کے ساتھ بچھا کر بیٹھ گیا۔ شدت کی سردی تھی باہر سے سرد ہوا کے جھونکے لوہے کی سلاخوں سے گذر کر بدن میں کپکپی پیدا کر رہے تھے۔ مگر خوف و ہراس نے سردی کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ ہر سو خاموشی چھائی ہوئی تھی اور ہر طرف سکوت مرگ طاری تھا۔ ہر سمت خواب غفلت کے پردے تھے اور ہر جہت شہر خموشاں کا بھیانک منظر تھا۔ بس میں تھا اور ایک سنتری جو کاندھے پر بندوق لٹکائے جنگلے کے اردگرد چکر لگا رہا تھا۔ موت کے خوف سے جی گھبراتا تو سلاخیں پکڑ کر کھڑا ہو جاتا۔ بے چینی بڑھتی تو ٹھنڈے سانس بھرتا اور گھبراہٹ حد سے گذرتی تو کمرے میں گھومنے لگتا۔ جان بوجھ کر سونے کی کوشش نہ کی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سوتے میں گولی مار دی جائے اور میں آخری وقت کلمہ

شہادت بھی نہ پڑھ سکوں۔ رات کے بارہ بج گئے تو میں نے نہایت ہی دھیمی آواز میں سنتری کو آواز دی۔

سنتری صاحب!

وہ جنگلے کے قریب آ کر بولا۔

یہاں تو کسی کو اشارہ کرنے کی اجازت نہیں اور آپ بول رہے ہیں۔ سورت مزمل کی تلاوت کرنے لگا اور پھر درود تاج پڑھنا شروع کیا۔ دل مضبوط ہوتا گیا اور گھبراہٹ دور ہوتی گئی، خوف و ہراس کے جال ٹوٹتے گئے اور بے چینی و بے قراری کی زنجیریں کٹتی گئیں اور موت کا کنواں مجھے زندگی کا گہوارہ دکھائی دینے لگا اور پھٹا پرانا کمبل مخمل کی رضائی بن گیا پڑھتے پڑھتے کمبل اوڑھ کر چکی پر لیٹ گیا نیند آ گئی اور سو گیا۔ چار بجے لانگری نے جگا کر کہا اٹھو روزہ رکھ لو۔

اٹھ کر وضو کیا نفل پڑھے فارغ ہوا تو لانگری نے جنگلہ کے نیچے سے دو سرخ رنگ کی روٹیاں اور مسور کی بیہودہ سی دال آگے رکھ دی۔ بھوکا تھا اور پھر روزہ بھی رکھنا تھا بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کھا گیا، صبح کی نماز پڑھی اور پھر سو گیا۔ گیارہ بجے تو جنگلہ کھلا آواز آئی شاہ جی اٹھو ذرا باہر چلو تاکہ کمرہ کی صفائی ہو جائے۔

میں اٹھ کر باہر نکلا تو جنگلہ کھولنے والے نے مجھے بالکل ہولے سے سلام کیا۔ میں نے بھی آہستہ سے سلام کا جواب دیا۔ پھر اس نے مجھے کئی بار دزدیدہ نگاہوں سے ایسے دیکھا جیسے کوئی کسی کو پہچاننے کی کوشش کرتا ہے۔ بھنگی نے صفائی کر دی شاہی قلعہ کے قانون کے مطابق قیدیوں کو گیارہ بجے سے ایک بجے تک باہر بیٹھنے کی اجازت ہوتی تھی ایک بجا تو اس نے پھر کمرہ میں بند کر دیا اگلے دن گیارہ بجے تو پھر وہی شخص آیا اس نے تالا کھولا ادھر ادھر غور سے دیکھا کوئی بھی آس پاس نہ تھا ہولی ہولی دبی زبان میں کہنے لگا

شاہ صاحب مجھے پہچانا ہے؟

میں نے جواب دیا نہیں۔

آپ طارق آباد والے صاحبزادہ سید افتخار الحسن ہی ہیں نہ؟

جی ہاں۔

اور آپ؟ میں نے پوچھا۔

میں ''دارا پور'' کے ولی محمد پہلوان کا لڑکا محمد شفیق ہوں۔ والد صاحب نے آپ کو کئی بار تقریروں کے لیے بلایا ہے میں ان دنوں آٹھویں جماعت میں پڑھا کرتا تھا اور میٹرک کرنے کے بعد میں ملازم ہوگیا اور اب میں سی، آئی، ڈی کا حوالدار ہوں۔ ایک سپاہی کو آتے دیکھ کر جمعدار سے کہنے لگا اچھی طرح صفائی کرنا فرنیل بھی چھڑکنا اور کمبل بھی جھاڑ دینا۔

پھر بولا آپ کو کھولنے اور بند کرنے پر میری ڈیوٹی لگی ہے۔ آپ فکر نہ کریں آپ کے متعلق دفتر میں جو بھی فیصلہ ہوا کرے گا میں آپ کو بتاتا رہوں گا۔ قلعہ کے انچارج شیخ عبدالصمد چھٹی پر ہیں وہ آئیں گے تو آپ کی تفتیش ہوگی۔

میں نے پوچھا تشدد تو نہیں کریں گے؟ اس سے پہلے کہ کوئی جواب دیتا پھر سپاہی کو ادھر آتے دیکھا تو لانگری کو آواز دی اس کمرہ میں پانی کا گھڑا بھر کر رکھ دو۔ وہ گذر گیا تو پھر تاکید کی کہ کسی کو خبر تک نہ ہو اور ہوا تک نہ نکلے کہ میں آپ کو جانتا ہوں۔ بلکہ اس بھید کو چھپانے کے لیے اگر کسی وقت میں بے رخی اور تلخی سے بھی پیش آؤں تو محسوس نہ کرنا۔

ایسے خطرناک ماحول اور ایسی خوفناک جگہ پر کہ جہاں کوئی یار و مددگار نہ ہو اور جہاں سب کے سب دشمن ہوں اور جہاں کوئی فریاد سننے والا نہ ہو۔ وہاں ایک خیر خواہ ہمدرد اور مخلص و عقیدت مند انسان مل جانا میرے لیے ایسے ہی تھا جیسے دردناک عذاب سے بچانے کے لیے کوئی رحمت کا فرشتہ آگیا ہو۔ ڈھارس بندھ گئی۔ حوصلہ بلند ہوگیا اور ہمت بڑھ گئی۔

تیسرے دن ایک افسر نے مجھے دفتر میں بلایا میں گیا تو وہ ٹیلیفون پر کسی سے

باتیں کر رہا تھا۔ نوابزادہ افتخار الحسن۔

افسر نے میری طرف دیکھا اور پوچھا کیوں جی نوابزادہ افتخار الحسن۔ نہیں جی صاحبزادہ افتخار الحسن۔ اچھا جاؤ۔

شفیق صاحب ہی بند کرنے آئے۔ آتے ہی انہوں نے بتایا کہ آپ کی B کلاس ہے اور فیصلہ ہوگیا ہے کہ آپ کو کچھ نہ کہا جائے۔ اب صرف تفتیش ہوگی یہ ٹیلیفون ہوم سیکرٹری شہزادہ عالمگیر کی طرف سے آیا تھا انہوں نے آپ کا نام پوچھا تھا اور تاکید کی تھی کہ صاحبزادہ افتخار الحسن پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے۔

لاہور کا شاہی قلعہ جہاں سے ملزموں کے جنازے نکلتے ہیں یا پاگل ہو کر رہا ہوتے ہیں۔ میرے متعلق یہ فیصلہ کیوں ہوا؟

بڑے بھائی جناب صاحبزادہ محمود الحسن، طارق آباد کے مخلص دوستوں، بے لوث عقیدت مندوں، خلیق قریشی، پرانے ساتھی مجید نظامی اور محترم بیگم جی، اے خان کی کوششوں کی بدولت۔

بعد میں پتہ چلا میری گرفتاری کے بعد طارق آباد کے احباب کرام سید فضل شاہ، حافظ منظور احمد، غلام مرتضیٰ اور ملک نثار احمد کی زیر قیادت ایک وفد کی شکل میں ہوم سیکرٹری شہزادہ عالمگیر کو ملے اور انہیں اصل حقائق سے آگاہ کیا۔

ملک نثار احمد جہاں مذہبی، سیاسی اور سماجی کارکن ہیں وہاں مخالف فریق کو دلائل سے قائل کرانے اور اپنی بات منوانے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔

چوتھے دن مغرب کی نماز سے فارغ ہوا ہی تھا کہ میاں محمد عبداللہ (مرحوم) ڈی، ایس، پی قصور قلعہ کے ایک افسر کے ہمراہ تشریف لائے میاں صاحب غلام مرتضیٰ کے گہرے دوست تھے۔ مجھے آواز دی میں جنگلہ کی سلاخوں کو پکڑ کر کھڑا ہوگیا۔ شاہ صاحب کیا حال ہے؟ کوئی تکلیف تو نہیں؟ کسی چیز کی ضرورت؟ میں کل طارق آباد گیا تھا تو چوہدری غلام مرتضیٰ نے آپ کے متعلق بتایا اور آپ کا پتہ کرنے کی تاکید کی تھی۔

مہربانی جناب میاں صاحب۔ شکریہ میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک ہفتہ کے بعد محمد شفیق نے بتایا کہ قلعہ کے انچارج شیخ عبدالصمد آ گئے ہیں اور کل آپ کی تفتیش شروع ہوگی۔ تفتیش کے دوران یہ خیال رکھنا کہ آپ کی زبان سے جو لفظ ایک بار نکلے دوبارہ بھی وہی ہو وہ کئی کئی بار اور مختلف انداز سے پوچھیں گے۔

شاہی قلعہ کے حکام کے نام یہ تھے۔

شیخ عبدالصمد انچارج، سید عنایت علی شاہ انسپکٹر سی، آئی، ڈی۔ ملک منظور احمد، چوہدری سردار علی ایس، پی، سی، آئی، ڈی، آئی، جی پولیس ایک ہوم سیکرٹری کا نمائندہ بھی شامل تھا۔

۹ فروری ۱۹۶۳ء پیر کو مجھے دفتر بلایا گیا پہلے میری انگلیوں کے انگوٹھے اور پورے پنجے لگوائے اور کئی دستخط لیے گئے۔ مجھے کرسی پر بٹھا کر شیخ عبدالصمد نے پوچھا۔

صاحبزادہ صاحب۔ آپ جانتے ہیں کہ آپ کو کیوں گرفتار کیا گیا ہے؟ جی نہیں۔

کاغذات کہاں ہیں۔

جناب وہ گھر رہ گئے ہیں۔

انہوں نے ملک منظور سے کہا شاہ صاحب کے کاغذات نکالو۔ ملک صاحب نے کاغذات شیخ صاحب کو دیئے انہوں نے مجھ پر عائد کیے گئے الزامات پڑھ کر سنائے۔

1. صدر پاکستان اور گورنر مغربی پاکستان کو فحش گالیاں دی گئیں۔
2. ایوب اور ملک امیر کی کوٹھیوں میں چکلے کھلے ہیں جہاں دن رات زنا ہوتا ہے۔
3. گورنر کی مونچھوں سے بغاوت ہوسکتی ہے۔
4. تمام مسلمانوں کو بے غیرت کہا گیا اور حکومت کے خلاف نفرت پھیلائی گئی۔
5. تمام وزراء رشوت خور ہیں۔

میں نے پہلے دوسرے اور چوتھے کا انکار کر دیا اور تیسرے اور پانچویں کو تسلیم کر

لیا اور ساتھ ہی کہا جناب الزام نمبر ۳ کا فقرہ پورا نہیں لکھا گیا اور یہ رپورٹر کی بد دیانتی ہے۔

ہوم سیکرٹری کے نمائندے نے پوچھا۔ پورا فقرہ کیسے ہے؟ گورنر کی مونچھوں سے تو بغاوت ہوسکتی ہے۔ لیکن محمد مصطفی ﷺ کی زلفوں سے بغاوت نہیں ہوسکتی۔

ڈی، ایس، پی نے سوال کیا کہ آپ کو بلاوجہ گرفتار کیا گیا ہے اور آپ پر جھوٹے الزامات لگائے گئے ہیں۔

نہیں جناب میں دو تسلیم کر چکا ہوں اور باقی تین بالکل غلط اور بے بنیاد ہیں۔

وہ کیسے؟ اس نے پوچھا۔

میں نے جواب میں کہا۔ جناب چونکہ میں اپنی جماعت کا ایک ذمہ دار رکن ہوں اور تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں سارے مغربی پاکستان کے دورے کرنے والا آدمی ہوں۔ عوام مجھے ”خطیب پاکستان اور ”افتخار ملت“ کے نام سے پکارتے ہیں اور عرصہ پچیس سال سے تبلیغ اسلام اور خطابت کے فرائض سرانجام دے رہا ہوں اس لیے یہ ناممکن ہے کہ ایک لاکھ کے مجمع میں منبر رسول ﷺ پر کھڑے ہو کر ایسا آدمی صدر پاکستان اور گورنر کو فحش گالیاں دے اور کہے کہ صدر اور گورنر کی کوٹھیوں میں چکلے کھلے ہوئے ہیں جہاں دن رات بدکاری ہوتی ہے اور عوام کو بے غیرت کہے۔ جناب اسے عقل تسلیم نہیں کرتی کہ میں عوام کو بے غیرت کہوں اور عوام میرے زندہ باد کے نعرے لگائیں۔

رہا یہ سوال کہ وزراء رشوت خور ہیں۔ میں نے یہ کہا ہے اور اب بھی کہتا ہوں اور اس بناء پر کہتا ہوں کہ پنجاب کے ایک خاندان کو سندھ میں دس مربع زمین الاٹ کرنے پر مرکزی وزیر زراعت ملک خدا بخش بچہ نے ایک لاکھ روپے رشوت لی ہے۔ حکومت اس کی غیر جانبدارانہ اور منصفانہ تحقیقات کرالے۔

شیخ عبدالصمد نے کہا۔ اچھا صاحبزادہ صاحب ہم نے تفتیش کرنی ہے اور ہماری تفتیش کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دل کی بات زبان پر لائی جائے اور اس کے کئی طریقے ہیں۔

میں پھر گھبرا گیا کہ یہ ضرور تشدد کریں گے۔ اچھا صاحبزادہ صاحب اپنی زندگی

کی کہانی بیان کرو؟

میں نے مختصر طور پر ہوش سنبھالنے کے وقت سے لے کر گرفتار ہونے تک اپنی زندگی کی کہانی بیان کر دی۔ شیخ صاحب نے کہا اچھا کل تک ملتوی۔

اگلا دن ہوا تو پھر شیخ صاحب نے کہا صاحبزادہ صاحب اپنی زندگی کی کہانی بیان کرو؟

میں نے پھر اسی ترتیب اور انہیں الفاظ کے ساتھ بیان کر دی۔

سی، آئی، ڈی کے انسپکٹر نے سوال کیا کہ صاحبزادہ صاحب کل آپ نے بیان میں کہا تھا کہ میں نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور خصوصاً میاں افتخار الدین کے حلقہ انتخاب تحصیل قصور میں بڑا کام کیا اور چوہدری قاسم علی میرے ساتھ تھے۔

میں نے کہا: جی ہاں۔

تو کیا آپ جانتے نہیں تھے کہ چوہدری قاسم علی پکا کیمونسٹ اور کامریڈ ہے؟ میں نے جواب دیا۔ جی نہیں قاسم علی کے متعلق تو نہیں جانتا تھا کہ یہ کیمونسٹ اور کامریڈ ہے البتہ میاں افتخار الدین کے متعلق ضرور جانتا تھا کہ وہ کیمونسٹ ہیں۔

سوال: پھر آپ نے میاں صاحب کی حمایت میں کام کیوں کیا؟

جواب: اگر کوئی انسان توبہ کر کے حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائے تو ہمیں اس کی بھرپور حمایت کرنی چاہیے اور اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کرنا چاہیے کیونکہ میاں صاحب لیگ میں شامل ہو چکے تھے۔ مسلم لیگ نے ٹکٹ دے دیا تھا اس لیے ایک مسلمان کی حیثیت سے میں نے ان کی بھرپور حمایت کی۔

یہ سن کر تمام زیرلب مسکرائے اور خاموش ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ تفتیش پھر کل تک ملتوی کر دی گئی۔

شیخ صاحب نے باورچی کو بلایا اور ہدایت کی صاحبزادہ صاحب کی بی کلا ہے اور جو یہ چاہیں ان کو کھلاؤ پلاؤ۔

پھر میرے کمرے کو اچھی طرح سجا دیا گیا۔ جیسے کسی مل کے مالک کا ڈریسنگ روم ہوتا ہے۔ باورچی ایک نیک دل، نمازی اور حضرت قاضی سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ (اعوان شریف والوں) کا مرید تھا۔ اس نیک بخت نے مجھے شاہی قلعہ کے قید خانے میں ایسے ایسے کھانے کھلائے کہ شاید ایسے باہر بھی میسر نہ ہوں۔ ایک دن صبح مجھے دفتر بلایا گیا۔ میں گیا تو ملک منظور نے کہا صاحبزادہ صاحب ذرا باہر دیکھو۔ مگر اشارہ تک نہ کرنا میں نے دیکھا تو چوہدری غلام مرتضیٰ اور حافظ منظور کھڑے تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھا اور میں نے انہیں اور بس۔ ایک دن بڑے بھائی صاحب ملاقات کی اجازت لے کر دفتر آئے اور ملاقات ہو گئی۔ ملک منظور بھائی صاحب کی گفتگو اور شخصیت سے بہت متاثر ہوا ۲۱ فروری ۱۹۶۳ء کو میں جنگلے کے ساتھ کھڑا تھا کہ باہر دیکھا کہ حاجی نتھے خان اور عبدالغفور (مرحوم) سامنے کھڑے تھے۔ جان ہوا ہو گئی اس لیے کہ یہ ایک ایسا جرم تھا کہ اگر وہ پکڑے جاتے تو پھر نہ میری خیر تھی اور نہ ہی ان کی اور نہ ہی ان کو لانے والے سپاہی کی۔

۲۳ فروری ۱۹۶۳ء کو شیخ صاحب نے مجھے دفتر بلا کر کہا صاحبزادہ صاحب ۲۸ فروری کو ہم نے آپ کو ہائیکورٹ میں پیش کرنا ہے۔ اپنی صفائی کے لیے کسی وکیل کا پتہ بتاؤ تاکہ اس سے فیس طے کر لی جائے۔

ہائیکورٹ کا نام سن کر میرے طوطے اڑ گئے اور حقیقت ہے کہ دل بیٹھ گیا کہ اب خیر نہیں۔ وکیل صفائی کے لیے میں نے ایس ایم ظفر کا نام لیا۔ شیخ صاحب نے کہا وہ تو بھاری رقم لیتا ہے۔

جناب فیس میں نے ادا کرنی ہے آپ کو اس سے کیا۔ ۲۸ تاریخ آ گئی میں بالکل تیار بیٹھا تھا۔ باہر پولیس گاڑی لینے کے لیے آ چکی تھی کہ شیخ صاحب اور چوہدری سردار علی خان انسپکٹر سی، آئی، ڈی نے دفتر بلا لیا۔

چوہدری سردار علی صاحب نے پوچھا۔ صاحبزادہ صاحب آپ کس مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ دیوبندی یا بریلوی؟

جناب میں اہل سنت و جماعت بریلوی ہوں۔

چوہدری صاحب نے شیخ صاحب کو مخاطب کر کے کہا تو پھر خواہ مخواہ ان کو یہاں رکھا ہوا ہے اور یونہی معاملے کو الجھا رہے ہو۔ بریلوی تو حکومت کے مخالف نہیں ہوتے۔ اس دن مجھے سمجھ آئی کہ بریلویوں کے متعلق حکومت کیا نظریہ رکھتی ہے۔
شیخ عبدالصمد نے پوچھا صاحبزادہ صاحب اصل واقعہ کیا ہے؟

میں نے جواب دیا بجلی گھر کے وسیع میدان میں تقریباً ایک لاکھ کا اجتماع تھا اور رمضان المبارک کے جمعہ شریف کے خطبہ میں فضائل درود شریف کے موضوع پر تقریر کر رہا تھا کہ دورانِ تقریر کسی نے مجھے اخبار کا پرزہ دیا جس میں ۹ جنوری کی صوبائی اسمبلی کے اجلاس کی کارروائی میں اس بل کی منظوری کا ذکر تھا کہ اگر کوئی شخص منکوحہ عورت سے زنا کر لے اور اس عورت کا خاوند اس زانی کو معاف کر دے تو اس زانی کے لیے شرعاً اور قانوناً کوئی سزا نہیں ہے۔

جناب میں نے اس اسلامی مملکت میں مسلمان نمائندوں کی طرف سے ایسے غیر دینی اور غیر اسلامی بل کے پاس ہونے کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ حکومت کو اس فیصلے پر نظرثانی کرنی چاہیے۔ ورنہ پاکستان کے بارہ کروڑ فرزندانِ اسلام اس بل کے خلاف تحریک چلائیں گے اور پھر میں نے قرآن پاک کے مطابق عوام کو زانی کی سزا بتائی۔

سوال: رپورٹ میں لکھا ہے کہ وہ ایک پمفلٹ تھا جو آپ نے اپنی اچکن کی جیب سے نکالا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا پہلے ہی اس بل کے خلاف تقریر کرنے کا ارادہ تھا؟

جواب: نہیں یہ بالکل جھوٹ ہے اگر میرا پہلے ارادہ ہوتا تو میں شروع سے اس بل کے خلاف تقریر کرتا پھر مجھے فضائل درود پاک پر تقریر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ حالانکہ آپ نے بتایا ہے کہ اس رپورٹ میں یہ ہے کہ صاحبزادہ صاحب درود پاک کے فضائل پر تقریر کر رہے تھے۔

اور یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک تجربہ کار اور ذمہ دار خطیب درود پاک کے فضائل بیان کرتے کرتے فوراً صدر اور گورنر کو فحش گالیاں دینی شروع کر دے۔ کہاں درود شریف کے فضائل اور کہاں فحش اور گندی گالیاں۔ اسے کوئی عقل مند اور ذی شعور انسان تسلیم نہیں کر سکتا۔

سوال: کیا حزبِ مخالف سے بھی آپ کا کوئی تعلق ہے؟

جواب: نہیں جناب میں تو "حزبِ مخالف" کی اصطلاح کو ہی غلط سمجھتا ہوں۔

سوال: وہ کیسے؟

جواب: ایسے کہ "حزبِ مخالف" کا معنٰی ہے حکومت وقت کا مخالف گروہ، اور حکومت کی مخالفت کرنے والی جماعت اور جب کوئی حکومت اپنے مدمقابل اپنی مخالفت میں ایک گروہ کو پورے احترام کے ساتھ تسلیم کرتی ہے تو پھر حزبِ مخالف کے لیڈروں کو حکومت وقت کی مخالفت کرنے پر سزائیں کیوں دی جاتی ہیں اور میرا کسی سیاسی جماعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کوئی سیاسی جماعت تو رہی ایک طرف میں کسی مذہبی جماعت کا بھی ممبر نہیں ہوں۔

چوہدری سردار علی نے مجھے کہا کہ صاحبزادہ صاحب گورنر صاحب کا حکم ہے کہ صاحبزادہ صاحب کو ہائیکورٹ میں پیش کرنے کی بجائے ان سے تحریری بیان لے کر میرے حوالے کیا جائے۔

یہ مجھے آج تک پتہ نہیں چل سکا کہ باہر کیا ہوا اور مجھے ہائیکورٹ میں پیش کرنے کا فیصلہ کیوں تبدیل ہو۔

چوہدری سردار علی صاحب نے اپنا تعارف کراتے ہوئے مجھے بتایا کہ میں نوشہرہ ضلع سیالکوٹ کا رہنے والا ہوں اور آپ کو اس وقت سے جانتا ہوں۔ جس وقت کہ میں حوالدار تھا اور لائل پور میں بھی ایک سال رہ کر آیا ہوں اور یہ سارا عملہ بھی آپ کو اچھی طرح جانتا ہے۔ مگر چونکہ یہ سپیشل سٹاف اور قلعہ میں تفتیش اور خفیہ پولیس کا معاملہ ہے اس

لیے کوئی بھی اس بھید کو کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کی اجازت ہے اور آپ کی تفتیش میرے حوالے کر دی گئی ہے۔ اپنے تحریری بیان میں وہ سب کچھ لکھیں جو کچھ آپ نے اپنے بیان میں کہا ہے۔ آپ کی زندگی کی کہانی ہی آپ کا بیان ہے اور حکومت آپ کے اس بیان سے پریشان ہے۔

قلم اور کاغذ مجھے دے دیئے گئے اور میں نے اٹھارہ صفحات پر مشتمل تحریری بیان لکھ کر شیخ عبدالصمد کے حوالے کر دیا۔ بیان میں میں نے راولپنڈی سے لے کر سکھر تک تقریروں کے خاص خاص اقتباسات، جملے اور فقرے احسن طریقے سے لکھے مثلاً راولپنڈی، گجرات اور سیالکوٹ میں فلاں فلاں تاریخ کو عام جلسوں میں میں نے کہا: ''امریکہ نے پاکستان کی امداد بند کر کے مفلوج کرنے کی کوشش کی ہے اور ہندوستان کو اسلحہ دے کر پاکستان سے بے وفائی اور عہد شکنی کی۔ اب تمام پاکستانیوں اور خصوصاً حزبِ اختلاف کے لیڈروں کو تمام اختلاف ختم کر کے صدر ایوب کے ہاتھ مضبوط کرنے چاہئیں۔

رحیم یار خان، خان پور اور صادق آباد میں میں نے کہا کہ ''معاہدہ استنبول صدر ایوب کے سیاسی تدبر کا نتیجہ ہے اور صدر ایوب کی بدولت بین الاقوامی طور پر پاکستان کا وقار بلند ہو گیا ہے۔''

لاہور منٹگمری، بورے والا اور ملتان میں میں نے کہا:

''کہ جس طرح عربوں کے لیے یہودی خطرناک ہیں اسی طرح پاکستان کے لیے مودودی خطرناک ہیں۔''

فرعون نے کہا تھا: انا ربکم الاعلیٰ اور مودودی کہتا ہے: انا ابو الاعلیٰ وغیرہ وغیرہ۔

چند روز خاموشی رہی آخر ایک دن سردار علی تشریف لائے اور کہا: صاحبزادہ صاحب آپ کے بیان کے مطابق میں راولپنڈی سے رحیم یار خان تک گیا ہوں سی، آئی،

ڈی کے ہر دفتر نے آپ کے بیان کی تصدیق کر دی ہے اب آپ ہائیکورٹ میں پیش ہونے کا مطالبہ کریں تا کہ آپ کا بیان اور سی، آئی، ڈی کی تصدیق ہائیکورٹ میں پیش ہو اور حکومت اور محکمہ سی، آئی، ڈی کو اپنی غلط روش کا احساس ہو۔

۴ مارچ ۱۹۶۳ء کو مجھے دفتر میں بلایا گیا شیخ صاحب اور چوہدری صاحب کے علاوہ ایک اور منحوس سے چہرے والا نوجوان کرسی پر بیٹھا تھا اور دوسری کرسی پر محمد حسین سرگودھا ڈویژن کے سی، آئی، ڈی کے انسپکٹر جن کی رہائش لائلپور میں تھی بیٹھے تھے۔

سردار علی نے چوہدری محمد حسین سے پوچھا۔

چوہدری صاحب صاحبزادہ افتخار الحسن کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

اللہ بھلا کرے چوہدری محمد حسین کا انہوں نے جواب میں کہا کہ صاحبزادہ صاحب گورنمنٹ کے قطعاً مخالف نہیں ہیں اور مجھے اس کیس کا اس دن علم ہوا تھا جس دن لاہور سے سید فدا حسین صاحبزادہ صاحب کو گرفتار کرنے گئے تھے یہ جو کچھ ہوا ہے مجھ سے چوری چوری ہوا ہے چوہدری سردار علی نے شیخ صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا معلوم ہوتا ہے کہ کسی ذاتی دشمنی کی بناء پر صاحبزادہ صاحب کے خلاف یہ ایک گہری سازش ہوئی ہے۔

پھر چوہدری صاحب نے مجھے بتایا کہ یہ ہیں سی، آئی، ڈی کے وہ حوالدار جنہوں نے آپ کی رپورٹ لکھی تھی۔ پھر اس حوالدار سے مخاطب ہو کر کہا: اچھا جی حوالدار صاحب تم نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ دس ہزار کا اجتماع تھا اور صاحبزادہ سید افتخار الحسن صاحب درود شریف پر تقریر کر رہے تھے اور پھر انہوں نے اپنی اچکن کی جیب سے ایک پمفلٹ نکال کر عوام کو پڑھ کر سنایا اور پھر صدر اور گورنر کو فحش اور گندی گالیاں دینی شروع کر دیں اور یہ بھی کہا کہ صدر اور گورنر کی کوٹھیوں میں چکلے کھلے ہوئے ہیں جہاں دن رات زنا ہوتا ہے اور مسلمانوں کو بے غیرت کہا۔

حوالدار نے تسلیم کیا کہ ہاں جی میں نے لکھا ہے۔

چوہدری صاحب! لیکن صاحبزادہ صاحب الزامات کا انکار کرتے ہیں اور کہاں درود شریف پر تقریر اور کہاں صدر اور گورنر کو فحش اور گندی گالیاں!

ان کا آپس میں کہیں تعلق اور جوڑ ہے؟

حوالدار! جناب انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ گورنر کی مونچھوں سے بغاوت ہو سکتی ہے اور تمام وزیر رشوت خور ہیں۔

چوہدری صاحب! یہ تو کوئی ایسی باتیں نہیں ہیں کہ جن کی بناء پر کسی کے خلاف اتنا بڑا طوفان کھڑا کر کے اسے موت کے منہ میں دھکیل دیا جائے۔ اس لیے کہ حکومت کے کسی غلط فیصلے کی مخالفت اور اس پر تنقید کرنے والے اس سے بھی زیادہ بہت کچھ کہہ دیتے ہیں اصل چیز تو صدر اور گورنر کو گالیاں دینے اور ان کی کوٹھیوں میں زنا ہونے کی ہے۔

میں نے کہا، جناب حوالدار صاحب نے گورنر کی مونچھوں والا فقرہ پورا نہ لکھ کر بد دیانتی اور بے ایمانی کی ہے۔

شیخ صاحب پورا فقرہ کیا تھا؟

گورنر کی مونچھوں سے تو بغاوت ہو سکتی ہے لیکن محمد مصطفی ﷺ کی زلفوں سے بغاوت نہیں ہو سکتی۔

چوہدری سردار علی! تم نے غلط رپورٹ اور جھوٹا مقدمہ بنا کر حکومت، پولیس اور محکمہ سی، آئی، ڈی کی توہین کی ہے اور انہیں بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔

حوالدار کے ہوش و حواس اڑ گئے اور ندامت اور شرمندگی کے مارے کوئی جواب نہ دے سکا۔ ۵ مارچ شام کے وقت چوہدری سردار علی نے مجھے بتایا کہ آپ کی تفتیش مکمل ہو چکی ہے اور سی، آئی، ڈی اور پولیس نے سفارش کی ہے کہ صاحبزادہ سید افتخار الحسن کو رہا کر دیا جائے۔

۷ مارچ کو شیخ عبدالصمد نے مجھے دفتر بلا کر بتایا کہ آپ کی رہائی کے احکام جاری ہو چکے تھے اور ہم آپ کو ۱۱ مارچ کو رہا کرنے والے تھے کہ صوبائی اسمبلی کے

اجلاس میں حزب مخالف کے لیڈر حمزہ نے آپ کی گرفتاری کے متعلق تحریک التوا پیش کر کے معاملہ پھر الجھا دیا ہے۔

میں نے کہا جناب تو پھر مجھے ہائیکورٹ میں پیش کر دیا جائے۔ شیخ صاحب توبہ کرو جی۔

ہائیکورٹ بری شے ہے خدا کسی کو وہاں نہ لے جائے۔ میں نے کہا جناب آپ نے خود ہی تو فرمایا تھا کہ آپ کو ہائیکورٹ میں پیش کرنا ہے۔

شیخ صاحب ٹھیک ہے کہا تھا مگر اس وقت حالات اور تھے اور اب اور ہیں۔

میں نے پھر کہا نہیں جناب مجھے ہائیکورٹ میں پیش کیا جائے۔

شیخ صاحب! آپ کو یہ پٹی کس نے پڑھائی ہے۔

کسی نے نہیں۔ میں جلد اپنے متعلق فیصلہ سننا چاہتا ہوں۔

آپ کو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں؟ شیخ صاحب نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

۸ مارچ کو ناشتہ کر کے شبلی نعمانی کی کتاب الفاروق کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اچانک طبیعت بگڑ گئی اندر سے غبار اٹھا اور دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ سر چکرانے لگا اور نظر پھٹ گئی وہم ہوا کہ شاید میری رہائی کے احکام جاری کر کے پھر اس لیے واپس لے لیے گئے ہیں کہ بقول گورنر ملک امیر محمد خان میرا جنازہ ہی جیل سے نکلے اور حمزہ کی تحریک التوا کا بہانہ بنا کر ناشتہ میں کوئی چیز کھلا دی گئی ہے۔

سنتری کو مشکل سے پکارا وہ فوراً دفتر گیا سید عنایت علی اور منظور آ گئے اور جنگلہ کھول کر مجھے باہر کھلی فضاء میں لٹا دیا گیا فون کر کے ایمبولینس گاڑی منگوائی گئی اور پولیس کے حفاظتی دستے میں مجھے ایک ہسپتال لے جایا گیا۔ ڈاکٹر نے معائنہ کرنے کے بعد دوائی پلائی اور ساتھ ہی کہا کہ انہیں میو ہسپتال لے جاؤ دوائی سے ذرا طبیعت سنبھلی تو ہلاک ہونے کا وہم دور ہو گیا کیونکہ اگر مجھے مار دینے کا پروگرام ہوتا تو پھر علاج کے لیے اتنی دوڑ دھوپ نہ کرتے۔

راستے میں حالت پھر خراب ہوگئی اور پھر مجھے بے ہوشی کی حالت میں ہی میو ہسپتال پہنچایا گیا۔ ہوش آیا آنکھیں کھلیں تو ایک ڈاکٹر میرے علاج میں مصروف تھا۔

اب طبیعت کیسی ہے؟ ڈاکٹر نے پوچھا۔

کافی حد تک ٹھیک ہے۔

تین گھنٹے کے بعد ڈاکٹر آیا ٹیکہ لگایا دوائی پلائی اور کہا مولوی صاحب آپ کا کیس بہت نازک تھا۔ اللہ کا شکر کریں کہ جان بچ گئی اب آپ کی حالت خطرہ سے باہر ہے۔

اچھا جناب خدا کا شکر ہے اور آپ کا بھی شکریہ۔

چار بجے ڈاکٹر صاحب پھر آئے۔ معائنہ کیا اور حالت بالکل تسلی بخش کرا کے اور کمزوری دور کرنے کی خاطر کچھ دوائیاں اور ٹیکے لکھ کر سید عنایت علی سے کہا انہیں اب لے جاؤ۔

واپس آئے تو سید عنایت علی نے کہا: صاحبزادہ صاحب آپ کو ایک بہت بڑا سیاستدان اور ملک کی ایک نامور شخصیت سمجھ کر یہاں شاہی قلعہ لاہور میں لایا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کا فوراً علاج کرایا گیا ہے ورنہ یہاں تو قیدی تڑپتے رہتے ہیں اور کوئی پوچھتا تک نہیں۔

۱۳ مارچ رات۔ اب میں ہر قسم کے خطرہ سے محفوظ ہو چکا تھا اور ہر بلا ٹل چکی تھی۔ مگر پھر بھی خدا جانے طبیعت کیوں اچاٹ ہوگئی اور بے چینی و اضطراب کیوں بڑھتا گیا کروٹیں بدل بدل کر سونے کی کوشش کی لیکن نیند نہ آتی تھی۔

کبھی سیف الملوک اور کبھی سلطان باہو، کبھی تفسیر یوسف اور کبھی ہاشم شاہ کے دوہڑے مگر طبیعت تھی کہ سنبھلتی ہی نہ تھی قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دی اور کرتے کرتے ہی نیند آگئی۔

کان میں کھجلی ہوئی۔ کروٹ بدلی پھر دوسرے کان میں کھجلی ہوئی تو پہلو بدل لیا۔ پھر کسی نے سینے پر ہاتھ رکھ کر دبایا۔ گھبرا کر اٹھا۔

کیا دیکھتا ہوں کہ میرے مرشد پاک شہبازِ لامکانی محبوبِ ربانی غوث صمدانی حضرت قبلہ دو عالم پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی (علی پور شریف والی سرکار) قندیل بزم طریقت شمع مجلس رشد و ہدایت عالی جناب صاحبزادہ پیر سید علی حسین شاہ دامت برکاتہم العالیہ اور دوسرے خلفاء کے ساتھ میرے سامنے جلوہ افروز ہوئے۔

روح پرور سماں تھا اور پرکیف نظارہ۔ ایمان افروز منظر تھا اور پر سرور کیف، قدموں میں گرا، جبین نیاز جھکائی، قدم بوسی کی اور عرض کی حضور اس قید خانہ میں عقیدت کے بھرپور جذبات اور خوشی و مسرت کے آنسوؤں کے سوا اور کیا نذرانہ عقیدت پیش کر سکتا ہوں۔

فرمایا: عرس مبارک کی تاریخ قریب آرہی ہے ہم نے سوچا کہ آج افتخار الحسن خود تاریخ لینے آیا کرتا تھا اب اسے خود جا کر عرس کی تاریخ دے آتے ہیں۔

عرض کی قبلہ کہاں شاہی قلعہ کا قید خانہ اور کہاں عرس مبارک کی تاریخ؟

فرمایا: ''کوئی یہیں تھوڑے بیٹھ رہنا ہے۔''

اتنا فرما کر اور سر پر دست رحمت و شفقت پھیر کر رخصت ہو گئے۔ جس قید خانہ میں مرشد پاک کی جلوہ نمائی ہو اس قید خانہ پر گھر کی سینکڑوں آزادیاں قربان اور جس نظر بندی میں پیر کامل کی تشریف آوری ہو اس نظر بندی پر لاکھوں کھلی فضائیں نثار اور جس جیل خانہ کی اندھیری کوٹھڑی میں شمع بزم ولایت فروزاں ہو اس جیل خانے کی تاریک کوٹھڑیوں پر کروڑوں شاہی محلات صدقے ہوں۔ مثنوی شریف کا یہ مصرعہ میری زبان پر آتا۔

''دست پیر از غائباں کوتاہ نیست''

اور میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر تو ورد زبان بن گیا۔

مالی دا کم راکھی کرنا پھل پکے ہون یا کچے
پیر مریداں دے سر تے رہندے جھوٹے ہون یا سچے

یہ میری رہائی کی بشارت تھی اور آزاد ہونے کی خوشخبری۔ سنتری نے پوچھا شاہ صاحب کیا بات ہے آج سوتے نہیں۔

میں نے کہا: خوشی سے نیند نہیں آتی۔

یہ آپ کس سے باتیں کر رہے تھے؟ سنتری نے حیران ہو کر پوچھا۔

میں نے کہا: آپ کی سنگینوں کے پہرے میں یہاں کون آسکتا ہے؟

سنتری نے پھر کہا: نہیں کوئی ضرور تھا۔

میں نے جواب دیا کہ اگر کوئی ہوتا تو بجلی کی روشنی میں تمہیں نظر آجاتا۔ سنتری صاحب میں اب جلدی رہا ہونے والا ہوں۔ اور اب دنیا کی کوئی طاقت مجھے یہاں قید میں نہیں رکھ سکتی۔ ۱۶ مارچ کو شیخ صاحب میرے کمرہ میں آئے اور جنگلہ کی سلاخوں کو پکڑ کر یہ مژدۂ جانفزا سنایا۔

صاحبزادہ صاحب! آپ کو مبارک ہو آپ یکم اپریل کو رہا ہو رہے ہیں۔

جناب مجھے پہلے ہی پتہ چل چکا ہے۔

وہ کیسے؟ ع

اہل دل کے بھی راز ہوتے ہیں

یکم اپریل ۱۹۶۳ء ڈیڑھ بجے دوپہر سید عنایت علی شاہ تشریف لائے اور تالا کھول کر کہا۔

صاحبزادہ صاحب! یہ تالا اب آپ کے لیے نہیں لگایا جائے گا میں نے جواب میں یہ شعر پڑھا:

کھل گئے در زندانوں کے اور وہ تالا ٹوٹا ہے
یا کوئی قیدی اور آیا ہے یا کوئی قیدی چھوٹا ہے

سامان باندھا، بستر اٹھایا، مٹی کے پیالے کو بوسہ دیا، گھڑے سے دو گھونٹ پانی پیا، دیواروں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا، پولیس کے دستے سے ہاتھ ملایا اور

پورے دو مہینے کے بعد لاہور کے شاہی قلعہ کے قید خانہ سے نکل کر آزاد فضاء میں سانس لیا۔ دفتر آیا۔ شیخ عبدالصمد نے رہائی کے کاغذات دیتے ہوئے کہا صاحبزادہ صاحب آپ کو مبارک ہو آپ ایک معزز مہمان کی حیثیت سے ہمارے پاس دن گزار کر جا رہے ہیں ورنہ۔۔۔

گورنر مغربی پاکستان ملک امیر محمد خان کی طرف سے رہائی کا حکم تھا لکھا تھا۔

”حکومت صاحبزادہ سید افتخار الحسن کو باعزت طور پر رہا کرتی ہے اور صاحبزادہ سید افتخار الحسن کو حکومت کے خلاف مقدمہ کرنے کی اجازت دیتی ہے۔“

موت کے کنویں سے نکل کر، ہلاکت کی وادی کو چھوڑ کر، خونیں پنجے سے نکل کر لاہور کے شاہی قلعہ سے باہر آیا تو حاجی تیتھے خان جوان دنوں میرا اسیکرٹری بھی تھا اور ایک وفادار ساتھی بھی میرے استقبال کے لیے شاہی مسجد کے باہر ایک پلاٹ میں موجود تھا۔ کیونکہ میاں محمد عبداللہ ڈی، ایس، پی پولیس نے چوہدری غلام مرتضیٰ کو میری رہائی کی اطلاع دی ہوئی تھی اور طارق آباد والے بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہے تھے۔

تیتھے خان نے مجھے دیکھا تو بے قابو ہو کر اور آنسو بہاتے ہوئے آ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ میں طارق آباد کے احباب کی اس محنت و کوشش اور ہمت و قربانی کا اعتراف کرتے ہوئے ان کا احسان مند ہوں کہ انہوں نے پوری عقیدت و وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے مجھے ”گورنر کی مونچھوں“ کے خطرناک جال اور شاہی قلعہ کی قید کے ”موت کے کنوئیں“ سے نکال لیا۔ ورنہ بہت ممکن تھا کہ میں آج تک جیلوں کی ہوائیں کھا رہا ہوتا۔ یا قبر میں میری ہڈیاں بھی گل گئی ہوتیں۔

(ماہنامہ لانبی بعدی لاہور، مجاہدین ختم نبوت نمبر، مرتبہ صلاح الدین سعیدی، شمارہ دسمبر ۲۰۰۳ء)

حضرت پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کی یادداشتیں

تحریک ختم نبوت کے آغاز تک مجھے علماء اہلسنت کے حلقے میں ایک مقام حاصل ہو چکا تھا میں اہل سنت کی انتظامی مجالس میں شرکت کرتا اور میری رائے کو وزن دیا جاتا۔ میں ان دنوں تحریک کے ان خفیہ راہنماؤں سے رابطہ رکھتا جو زیرزمیں کام کر رہے تھے۔ تحریک کے لیڈروں کی گرفتاری کے بعد پرجوش عوام پنجاب بھر کے شہروں سے لاہور میں جمع ہونے لگے۔ ان کے ساتھ علماء بھی آنے لگے مختلف جلسہ گاہوں میں تقریریں کرنے لگے۔

مولانا محمد یوسف سیالکوٹی سیالکوٹ سے آکر میرے پاس ٹھہرے اور بعض مقامات پر پرجوش تقاریر کرنے کے بعد میرے گھر میں روپوش رہے۔ پولیس کے تعاقب کی وجہ سے وہ زیرزمین کام کرتے رہے۔ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد لاہور چھوڑ کر پیدل دریائے راوی عبور کر کے گمنام دیہات کی طرف نکل گئے اور پولیس، فوج ان کی تلاش میں ماری ماری پھرتی رہی۔ مگر وہ کسی کے ہاتھ نہ آئے۔

مجاہد ملت حضرت مولانا عبد الستار نیازی رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور کی تاریخی مسجد وزیر خان میں تحریک کی قیادت سنبھالی۔ بہت سے علماء گرفتار کر لیے گئے بعض زیرزمین چلے گئے مگر مجاہد ملت لاہور کے شہریوں اور مختلف شہروں سے لاہور پہنچنے والے تحریک ختم نبوت

کے قافلوں کو مربوط کرنے کے لیے مسجد وزیر خاں کے مرکز میں آ پہنچے حضرت مجاہد ملت ان دنوں پنجاب اسمبلی کے ممبر تھے انہوں نے ان دنوں ایسی ولولہ انگیز اور شعلہ بار تقریریں کیں کہ میں ساری زندگی ایسی تقریریں پھر نہ سن سکا انہوں نے پولیس اور فوج کے ظلم وستم سے نڈھال لوگوں کو اپنی پرجوش تقریروں سے نئی زندگی بخشی اندرون شہر سے پولیس کی حکومت ختم کی اور پولیس کا مسجد وزیر خاں پہنچنا ممکن بنا دیا۔ شہر کے باہر پنجاب پولیس گولی چلانے کے نفرت آمیز کردار کی وجہ سے بڑی بدنام ہو چکی تھی۔ چنانچہ شہر کے اندر جو پولیس والا دکھائی دیتا لوگ اس کی وردی پھاڑ دیتے۔

مختلف علماء کی گرفتاری اور جلوسوں پر گولیاں چلانے کے بعد ڈی ایس پی فردوس شاہ جس وقت مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی کی گرفتاری کے لیے مسجد وزیر خاں کی طرف بڑھا تو مشتعل ہجوم نے راستہ میں ہی اس کا کام تمام کر دیا۔ میں اس منظر کو کبھی نہیں بھول سکتا جب کوئی بھی شخص ڈی ایس پی فردوس شاہ کی میت کو غسل دینے کے لیے تیار نہ ہوا تو اس کی لاش کوتوالی تھانے کے نکلنے کے قریب پڑی تھی اور ایک ماشکی اس پر مشک سے پانی ڈال رہا تھا اس کے اپنے تھانے کے سپاہی تک اس کے نزدیک نہ جاتے تھے کہ یہ ''ختم نبوت'' کا مخالف ہے۔

حضرت مجاہد ملت سے میری ملاقاتیں بڑھنے لگیں میں نوجوان مجاہدین کے دستے لے کر مسجد وزیر خاں جاتا شہر کی تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کرتا اور نئی ہدایات لے کر علماء اہلسنت تک پہنچاتا۔ مجاہد ملت محاورتاً نہیں حقیقتاً ''جان ہتھیلی پر رکھ کر'' دن رات کام کر رہے تھے۔

یکم اکتوبر ۱۹۵۲ء کو جنرل اعظم خاں مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بن کر لاہور پر مسلط ہو گیا۔ اس نے لاہور کے گلی کوچوں میں شمع ختم نبوت کے پروانوں کو جس بے دردی سے قتل کروایا وہ اس کی زندگی کا بدترین کارنامہ اور سیاہ ترین باب ہے۔ اس کی فوجی عدالتوں نے علماء کرام، مشائخ عظام، طلباء اور فقراء کو دار ورسن کی ساری مصیبتوں سے

گزرنے پر مجبور کیا۔ حتیٰ کہ ایک فوجی عدالت نے تو دیوانوں اور مجذوبوں کو بھی نعرہ تکبیر کے جواب میں ''اللہ اکبر'' کہنے پر چودہ چودہ سال قید کی سزا دی۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک رات بے پناہ ہجوم ریلوے سٹیشن سے مسجد وزیر خاں کی طرف بڑھ رہا تھا یہ سارے لوگ پنجاب کے مختلف دیہات سے آئے ہوئے تھے اور تحریک کے مرکز تک پہنچنے کے لیے پیش رفت کر رہے تھے آدھی رات کا وقت تھا کہ دہلی دروازے کے باہر میلاد چوک کے قریب اس جلوس پر اس قدر گولیاں برسائیں گئیں کہ ۱۹۴۷ء کے مسلم کش فسادات میں بھی نہ برسائی گئی ہوں گی میں کوتوالی تھانے کے قریب ہی رہائش پذیر تھا صبح فجر کے بعد میلاد چوک پہنچا تو کارپوریشن اور ملٹری کی گاڑیاں خون آلود سڑکیں دھونے میں مصروف تھیں لیکن اس ''دھلائی'' کے باوجود بازاروں اور دیواروں پر ختم نبوت کے شہیدوں کے مقدس خون کے چھینٹے اور گوشت کے لوتھڑے نظر آرہے تھے۔

؎ چہ خوش رسمے بنا کردند بخاک وخون غلطیدن

یہ سیاہ رات اپنے دامن میں شہداء کی لاشوں کے انبار لے کر گزر گئی مگر مارشل لا کی بے جا شدت کے نقوش جس رنگینی سے ثبت ہوئے اس کا نکھارے ستمبر ۱۹۷۴ء میں آکر ظاہر ہوا جب علماء اہل سنت کی پون صدی کی جہد مسلسل کے باعث آخر کار قومی اسمبلی نے قائد اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی کی تحریک پر انہیں کی قیادت میں قادیانیوں کو مرتد قرار دینے کا قانون پاس کیا۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے دوران ایک روز مجھے ''قابل اعتراض'' تقریر کرنے پر گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی مگر میں خود محکمہ دفاع کا مستقل ملازم تھا پنجاب پولیس نے جی ایچ کیو میں میرے خلاف رپورٹ بھیجی مجھے ایک کمیٹی کے سامنے پیش ہونا پڑا۔ کمیٹی کے اراکین کو علم تھا کہ میں کتنا ''خطرناک'' ہوں۔ وہ میری محکمانہ خدمات اور خلوص کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے پھر بھی میرے خلاف یہ فیصلہ ہوا کہ مجھے کسی ایسے

علاقے میں ٹرانسفر کر دیا جائے جہاں کے لوگ میری تقریر سمجھنے سے قاصر ہوں چنانچہ مجھے کوئٹہ ٹرانسفر کر دیا گیا کوئٹہ واقعی میرے لیے اجنبی شہر تھا میں وہاں پہنچا تو پولیٹیکل ایجنٹ کو میری ''خفیہ نگرانی'' پر مامور کر دیا گیا۔

حسن اتفاق سے میرے دوست حافظ خوشی محمد اور ممتاز عالم دین اور دانشور حضرت علامہ محمد افضل کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ کوئٹہ میں موجود تھے انہوں نے میری آمد کی اطلاع پاتے ہی ایک عظیم الشان جلسہ کا اہتمام کیا اور میرے نام کے ساتھ ''صوبہ بدر خطیب'' کا لقب لگا کر لوگوں کو جلسے کی طرف راغب کیا ''صوبہ بدر خطیب'' کے الفاظ سن کر بے پناہ رش ہو گیا میں نے تین گھنٹے تقریر کی اس میں اسلام کے مجاہدوں کے کارنامے اس انداز سے بیان کیے کہ عوام کے علاوہ ملٹری سٹاف کالج کے ایک کرنل صاحب بھی میری تقریر سے بے حد متاثر ہوئے اور بجائے گرفتار کرنے کے انہوں نے دوسرے روز مجھے بلایا ایک فوجی جیپ دے کر میری ڈیوٹی لگا دی کہ صبح پریڈ کے وقت پاک فوج کے مختلف یونٹوں میں جا کر جہاد کے موضوع پر روزانہ خطاب کیا کروں۔

(باتوں سے خوشبو آئے، مطبوعہ ۲۰۰۵ء لاہور مرتبہ صلاح الدین سعیدی)

خطیب پاکستان

"خطیب پاکستان" جب مطلقاً بولا جائے تو ذہن منطقی طور پر حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی (ستارۂ امتیاز) رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جاتا ہے۔ خطیب پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی چمنستان مصطفی ﷺ کے وہ خوشنوا عندلیب تھے۔ جنہوں نے اپنی زندگی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات اور الوہیت وحدانیت، حضور ﷺ کی ختم نبوت اور تقدیس رسالت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت وشان، اہل بیت پاک علیہم السلام کی سیادت و سعادت اولیاء اللہ رحمہم اللہ کے تصرفات وکرامات، مذہب، مہذب اہل سنت کی حقانیت، دو قومی نظریہ کی حمائت، دفاع وطن کی افادیت اور ان سب عنوانات کے بے شمار ذیلی عنوانات پر کم وبیش ۱۸ ہزار جلسوں سے خطاب فرمایا جو خطابت کی تاریخ میں ایک ریکارڈ ہے۔

آپ ۱۹۲۹ء میں بھارتی پنجاب کے قصبہ "کھیم کرن" میں صوفی باصفا حضرت میاں کرم الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم وتربیت اولاً گھر کے دینی ماحول میں ہی ہوئی۔ بعد ازاں شیخ القرآن حضرت علامہ غلام علی اوکاڑوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کئے اور حدیث پاک کی سند محدث ملتانی حضرت امام احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔

تحریک پاکستان میں ایک طالب علم کی حیثیت سے بڑے جوش وولولے کے ساتھ شریک رہے اور پاکستان بن جانے کے بعد مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے مغربی پنجاب (یعنی پاکستانی پنجاب) کے شہر اوکاڑہ میں رہائش پذیر ہوئے۔

اولاً آپ اوکاڑہ کے حوالے سے پہچانے گئے اور بعد ازاں اوکاڑہ آپ کی وجہ

وہمت سے یہ صدمہ برداشت کیا وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔

اس اندوہناک صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ساہیوال کے ڈپٹی کمشنر نے جیل کا دورہ کرنے کے بہانے مولانا سے خفیہ ملاقات کی اور کہا آپ کے بچوں کے انتقال کر جانے کے باعث آپ کے گھریلو حالات بڑے نازک اور حساس ہیں۔ ایسے میں آپ کا گھر میں موجود ہونا ضروری ہے اور شہر کی مختلف دینی اور سماجی شخصیات نے مجھ سے آپ کی سفارش بھی کی ہے۔ لہٰذا اگر آپ "معافی نامہ" لکھ دیں تو آپ کو آج ہی رہائی مل سکتی ہے اور آپ کا معافی نامہ بھی عوام سے خفیہ رکھا جائے گا۔ لیکن قربان جایئے آپ کے صبر واستقلال پر کہ آپ نے فرمایا بچے اللہ کو پیارے ہو گئے تو کیا ہوا۔ اگر میری جان بھی چلی جائے تو میں معافی نامہ نہیں لکھوں گا۔ کیونکہ میرا عقیدہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں۔

آپ کے اس جواب پر ڈپٹی کمشنر سیخ پا ہوا اور آپ پر دفعہ ۳ لگا کر مزید سختی کر دی گئی۔ یہاں تک کہ ملاقات پر بھی پابندی عائد کر دی لیکن آپ نے اپنے مشن میں سرمو فرق نہ آنے دیا۔

حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ اس اعتبار سے بھی خصوصیت اور امتیاز رکھتے تھے کہ آپ نے ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں محاذ جنگ پر جا کر پاک فوج کا مورال بلند کرنے کے لیے پرجوش تقریریں کیں اور فوجی جوانوں میں وہ جذبہ پیدا کیا۔ جس نے پاک فوج کو دنیا بھر میں بہترین فوج کے طور پر متعارف کرانے میں مدد دی۔ افسوس آج ہمارے میڈیا کو یہ تو پتہ ہے کہ ملکہ ترنم نور جہاں نے گانے گا کر فوج کا مورال بلند کیا لیکن یہ نہیں پتہ کہ کس مجاہد اعظم نے جوانوں کو مرمٹنے کا جذبہ عطا کیا تھا۔ کاش ہماری نصابی کتب میں مولانا کے کردار کا یہ انوکھا پہلو شامل کیا جاتا لیکن ہمارے نصاب پر متعصب مورخ کے پنجے گڑے ہوئے ہیں۔

۱۹۷۰ء والے انتخابات میں حضرت جماعت اسلامی کے امیدوار محمود اعظم فاروقی کو ہرا کر جمعیت علمائے پاکستان کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے لیکن

سے پہچانا جانے لگا۔ خاص طور پر کراچی کے لوگ اوکاڑہ کا نام سن کر فوراً کہتے ہیں۔ ''وہی اوکاڑہ جہاں کے مولانا اوکاڑوی ہیں۔''

۵۰ کے عشرے میں آپ اوکاڑہ چھوڑ کر کراچی والے عقیدت مندوں کے اصرار پر کراچی میں مقیم ہو گئے اور کراچی کے ماحول میں خطابت کے حوالے سے نیا رنگ بھرا۔ آپ کا انداز خطابت کراچی میں اس قدر مقبول ہوا کہ آج تک کراچی کے زیادہ تر خطیب آپ کا انداز اپنا کر عوام میں مقبول ہوتے ہیں اور بے شمار خطیب آپ کی زندگی میں ہی آپ کے انداز میں خطابت کے جوہر دکھایا کرتے تھے۔

''تحریک ختم نبوت'' میں ایک ابھرتے ہوئے نوجوان خطیب کی حیثیت سے زبردست کردار ادا کیا۔ ساہیوال کے بزرگ علماء نے آپ کو اپنے ضلع میں تحریک ختم نبوت کا امیر بنا دیا تھا۔ آپ بزرگ علماء کے اعتماد پر پورے اترے اور دیگر علماء اہل سنت کی طرح قید و بند کی صعوبتوں کو ایک اعزاز اور افتخار سمجھ کر قبول کیا اور تقریباً سال بھر ساہیوال جیل میں قید رہے۔ یوں تو جتنے بھی علماء کرام پابند سلاسل تھے سب نے جرأت اور استقلال کی مثالیں قائم کیں اور آنے والی نسلوں کو عشق و اخلاص کی راہیں دکھائیں لیکن حضرت خطیب پاکستان جس امتحان سے گزرے وہ بے مثال بھی ہے اور مہر و وفا کے راہ نوردوں کے لیے ایک مثال بھی۔

آپ کی شادی کو چند ہی سال گزرے تھے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو دو فرزند ''تنویر احمد'' اور ''منیر احمد'' عطا فرمائے تھے۔ جو لوگ زندگی کی اس منزل میں ہیں اور خوش و خرم زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس ماحول میں بیوی بچوں کی جدائی برداشت کرنا کتنے دل گردے کا کام ہے لیکن بڑے لوگوں کے امتحان بھی بڑے ہوتے ہیں۔ حضرت خطیب پاکستان جیل میں تھے کہ اچانک ننھے منھے بچوں کی وفات کی خبر ملی۔ قادیانی مشن کی دل ہلا دینے والی ہرزہ سرائیاں، تحریک کا لامتناہی سلسلہ، جیل کی تنہائی، ماحول کی گھٹن اور اس پر دونوں جگر پاروں کی رحلت کی خبر، لیکن آپ نے جس صبر

ووٹوں کی گنتی کے نام پر حکومت نے آپ کو ہمیشہ پریشان رکھا کبھی آپ کو کامیاب قرار دیا جاتا اور کبھی فاروقی کو لیکن عوام کی واضح اکثریت آپ کے ساتھ تھی، مگر آپ کے ساتھی سیاست کے داؤ پیچ نہ جانتے تھے اور اپنی شرافت کے باعث اس سیٹ کا کوئی فیصلہ نہ کروا سکے۔ اس کے بعد آپ انتخابی سیاست سے دل برداشتہ ہو گئے۔

ضیاء دور میں آپ ضیاء الحق کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے اور ضیاء الحق سے نفاذ اسلام کی امید پر تعاون کرتے رہے لیکن امریکی اشاروں پر ناچنے والے حکمرانوں سے نفاذ اسلام کی امیدیں کب پوری وہ سکتی ہیں۔ آپ اپنی آنکھوں میں نفاذ اسلام کے سہانے سپنے سجائے ملک و قوم کی بہتری کے لیے خدمات انجام دیتے ہوئے رجب ۱۴۰۴ھ ۱۹۸۴ء میں اپنے لاکھوں عقیدت مندوں کو روتا چھوڑ کر بہشت سدھار گئے۔ آپ کا عرس مبارک ہر سال رجب کی تیسری جمعرات اور جمعہ کو کراچی میں منایا جاتا ہے۔

راقم کا حضرت کے ساتھ نیاز مندانہ تعلق لڑکپن ہی سے تھا۔ ملک بھر بلکہ دنیا بھر کے واعظین سنے مگر جو کیفیت حضرت کے وعظ میں ہوتی تھی وہ کہیں نہ پائی۔

حضرت خطیب پاکستان کے لائق فائق فرزند حضرت علامہ ڈاکٹر کوکب نورانی (حفظہ اللہ تعالیٰ) اس دور میں اہل سنت کا عظیم سرمایہ ہیں۔ آپ کی یہ بھی خوبی ہے کہ وعظ و خطابت اور مختلف ٹی وی چینلز کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ علمی ادبی و تحقیقی کاموں میں بھی بھرپور ذاتی دلچسپی لیتے ہیں یعنی آپ ''برقی'' اور ''ورقی'' دونوں محاذوں پر لڑ رہے ہیں۔ دنیا بھر کے دورے کرتے ہیں یورپ و امریکہ کے ساتھ ساتھ غریب اور پڑوسی ممالک بھارت و بنگلہ دیش کو بھی نظر انداز نہیں کرتے اور سونے پہ سہاگہ اپنی مصروفیات کو قلم بند بھی کرتے ہیں۔ تازہ ترین لٹریچر کا مطالعہ بھی آپ کی بہت بڑی خوبی ہے۔ دنیا بھر کے سنی علماء، سنی دانشوروں، سنی صحافیوں اور سنی اہل قلم سے قریبی رابطہ رکھتے ہیں۔ ان کی راہنمائی فرماتے ہیں اور تحقیقی و علمی کاموں میں مدد کرتے ہیں اور اس سلسلے میں خاص اپنی گرہ سے خرچ بھی کرتے ہیں۔ میں نے حضرت کی فرمائش اور تحریک پر بزرگان دین کا نعتیہ کلام (۵ حصے) مرتب کیے، جن میں سے اول، دوم و سوم شائع ہو چکے ہیں۔

مرزا، مرزائی اور مرزائیت
مسلم مشاہیر کی نظر میں

حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کوٹ مٹھن شریف

''مرزا قادیانی کافر ہے۔ قادیانی فرقہ ناری اور جہنمی ہے۔ حضور اکرم ﷺ پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا'' ۔[1]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ

''قادیانی مرتد، منافق ہیں۔ مرتد منافق وہ کہ کلمہ اسلام اب بھی پڑھتا ہے، اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتا ہے اور پھر اللہ عزوجل یا رسول اللہ ﷺ یا کسی نبی کی توہین کرتا ہو یا ضروریات دین میں سے کسی شے کا منکر ہے۔ اس کا ذبیحہ محض نجس، مردار، حرام قطعی ہے۔ مسلمانوں کے بائیکاٹ کے سبب قادیانی کو مظلوم سمجھنے والا اور اس سے میل جول چھوڑنے کو ظلم و ناحق سمجھنے والا اسلام سے خارج ہے اور جو کافر کو کافر نہ کہے، وہ بھی کافر'' ۔[2]

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری علیہ الرحمۃ

''حضرت میاں شیر محمد شرقپوری نے ایک دفعہ مراقبہ کیا اور دیکھا کہ مرزا قادیانی کی شکل قبر میں باؤلے کتے کی طرح ہے اور باؤلے پن کا اس پر دورہ پڑا ہوا ہے۔ اس کا منہ دم کی طرف ہے، بھونک رہا ہے اور گول چکر کاٹ رہا ہے، منہ سے جھاگ نکل رہی تھی اور بار بار اپنی دم اور ٹانگوں کو کاٹتا ہے'' ۔[3]

حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمۃ:

''حجاز کے مبارک سفر میں مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی امداد اللہ سے ملاقات ہوئی جو ایک صحیح صاحب کشف انسان تھے۔ جب ان کو میری آزاد اور بے باک طبیعت کا علم ہوا تو شدید اصرار اور تاکید سے فرمایا کہ چونکہ عنقریب ہندوستان میں ایک فتنہ ظاہر ہونے والا ہے لہٰذا تم وطن واپس چلے جاؤ۔ اگر بالفرض تم خاموش بھی رہو گے تو بھی یہ فتنہ ترقی نہ کر سکے گا اور اس طرح ملک میں آرام رہے گا۔ چنانچہ میں پورے وثوق کے ساتھ حاجی صاحب کے اس کشف کو مرزا قادیانی کے فتنہ سے تعبیر کرتا ہوں۔

حضور ﷺ نے بھی خواب میں مجھے حکم دیا کہ یہ مرزا قادیانی غلط تاویل کی قینچی سے میری احادیث کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہا اور ہے تو خاموش ہے'' ۔[4]

حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی علیہ الرحمۃ:

''جو شخص اسلام چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرے تو وہ کافر ہے، مرتد ہے اور مرتد کی سزا شریعت میں قتل ہے۔ اگر میرے ہاتھ میں حکومت ہوتی تو میں قادیانیوں کا فیصلہ شریعت کے مطابق کرتا، جس کی نظیر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قائم کی تھی۔ مرزائیوں کا سوشل بائیکاٹ بالکل جائز ہے۔ ان کے ساتھ ہر قسم کا میل جول ختم کر دیا جائے'' ۔[5]

حکیم الامت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ:

''میں اس باب میں کوئی شک و شبہ اپنے دل میں نہیں رکھتا کہ یہ احمدی (مرزائی) اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں'' ۔[6]

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح علیہ الرحمۃ:

جب کشمیر سے واپسی پر قائداعظم سے سوال کیا گیا کہ آپ کی قادیانیوں کے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ''میری رائے وہی ہے جو علماء کرام اور پوری امت کی

ہے"۔ ۷

قائد تحریک ختم نبوت 1974ء مولانا شاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ:

"مرزائیت، یہودیت کی گود میں پروان چڑھ رہی ہے اور پاکستان میں "تل ابیب" کا ایجنٹ "ربوہ" ہے۔ اس کی معرفت جو چاہتے ہیں کرواتے ہیں۔ مذہب کا تو ان لوگوں نے لبادہ اوڑھ رکھا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑی خطرناک سیاسی تحریک ہے اور یہ صیہونیت کی ایک ذیلی تنظیم ہے جو مسلمانوں کے اندر رہ کر مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا سامان پیدا کر رہی ہے"۔ ۸

مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی علیہ الرحمۃ:

پھانسی کی سزا پانے والے مجاہد تحریک ختم نبوت

مرزائی جہاں کہیں بھی موجود ہے، کفر کا ایجنٹ ہے۔ اسلام کے خلاف جاسوس ہے۔ مرزا قادیانی نے خود کہا ہے کہ "میں انگریز کا خود کاشتہ پودا ہوں اور انگریز کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت ہے"۔ مزید کہا کہ "انگریز کے دور میں ہمیں وہ امن وامان نصیب ہوا ہے جو ہمیں مکے اور مدینے میں بھی نہیں مل سکتا"۔ قادیانیوں نے سقوط ڈھاکہ کے موقع پر گھی کے چراغ جلائے تھے۔ ۹

پاسبان مسلک رضا عالم باعمل مولانا ابوداؤد محمد صادق:

مرزا قادیانی کے متعلق یاد رکھئے کہ وہ صرف ختم نبوت کے انکار ہی کی وجہ سے مرتد نہیں بلکہ اس ڈبل کفر کے علاوہ بھی اس کے اور بیسوں کفریات ہیں۔ لہٰذا مرزا قادیانی اور کسی مدعی نبوت کو نبی ماننا، اپنا امام و پیشوا جاننا تو درکنار، ایسوں کو ادنیٰ مومن سمجھنا اور ان کے کفر میں شک کرنا بھی اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ ۱۰

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے

خصوصاً آج کل کے انبیاء سے

مجاہد تحریک ختم نبوت حضرت صوفی محمد ایاز خان نیازی (کراچی)

امیر اوّل تحریک فدایانِ ختم نبوت پاکستان

۱۹۴۸ء میں جب جہاد آزادیٔ کشمیر کا آغاز ہوا اور کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کو ڈوگرہ سامراج سے آزاد کرانے کیلئے پورے ملک سے عوام بالخصوص صوبہ سرحد سے قبائل نے کشمیر کا رُخ کیا تو حضرت صوفی محمد ایاز خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ بھی میانوالی سے مجاہدین کے ایک لشکر کی قیادت کرتے ہوئے کشمیر پہنچے۔ مشہور مسلم لیگی رہنما امیر عبداللہ خان روکڑی اس لشکر میں ایک عام سپاہی کی حیثیت سے آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہم ایک دن میں جتنا پیدل سفر کر سکتے تھے اتنا ہی علاقہ فتح کر لیتے تھے۔ ہماری آمد کی اطلاع سن کر ڈوگرہ فوجی اور ہندو مہاشے علاقہ چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے۔ آپ بڑے افسوس کا اظہار کرتے کہ ہم نے جو جنگ میدان میں جیتی اسے مذاکرات کی میز پر ہار دیا گیا اگر ہمیں چند دن اور مل جاتے اور فائر بندی کا اعلان نہ ہوتا تو ہم پورا کشمیر فتح کر لیتے۔ ہم ہندو اور قادیانی کی سازش کا شکار ہو گئے۔ ہندو سے آپ کی مراد جواہر لعل نہرو اور قادیانی سے مراد سر ظفر اللہ خان تھے۔

آپ کہتے تھے کہ پاک فوج کی طرف سے جو فوجی افسر قبائل کے لشکر کو ہدایات دے رہا تھا مجھے اس کے بارے میں بھی شک تھا کہ وہ بھی اندرون خانہ قادیانی ہے اور وہ مسلمانوں کی فتح نہیں چاہتا تھا۔ ۱۱

ایم۔ ایم عالم مرحوم (سکواڈرن لیڈر) جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء کے ہیرو:

"قادیانیوں نے ہمیشہ غداری کی ہے۔ یہ لوگ ملک اور قوم دونوں کے دشمن ہیں۔ میرے متعلق ان لوگوں نے افواہ اڑائی ہے کہ نعوذ باللہ میں قادیانی ہوں۔ میں ان پر لعنت بھیجتا ہوں"۔ ۱۲

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمۃ:

''مرزائی مارِ آستین ہیں۔ جو دن رات وطن عزیز کی جڑیں کاٹنے میں مصروف ہیں، نظام اسلامی کے راستے میں انہوں نے جس طرح رکاوٹیں پیدا کیں، ان سے ہم سب باخبر ہیں۔ اس فتنہ کے تدارک کی ذمہ داری ہم پر دوسروں سے زیادہ عائد ہوتی ہے۔ ہم نے اگر اس میں کوتاہی کی تو یاد رکھئے آئندہ نسلیں ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گی''۔۱۳

قومی ترانے کے خالق حفیظ جالندھری مرحوم:

''مرزائے قادیان اور ان کے ایجنٹوں کی تحریریں، تقریریں اور تبلیغی تذویت ہیں۔ ان تذویروں کا مقصد دنیائے اسلام پر ''یہود'' کی حکومت قائم کرنا ہے''۔۱۴

حمید نظامی مرحوم:

''غیر ممالک میں پاکستان کے ''سفارتخانے'' تبلیغ مرزائیت کے اڈے اور ان کے جماعتی دفاتر معلوم ہوتے ہیں''۔۱۵

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں ایٹمی ہیرو:

''اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ عرصہ دراز سے قادیانی ملک کے اندر اور باہر یہودی لابی سے مل کر پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف بین الاقوامی سطح پر بے بنیاد پروپیگنڈہ کر کے پاکستان کو بدنام کرنے کی کوشش میں سرگرم عمل ہیں اور اپنا اثر ورسوخ استعمال کرتے ہوئے مغربی ممالک کی طرف سے طرح طرح کی رکاوٹیں اور بے جا پابندیاں پیدا کر کے ہماری فنی ترقی کو مفلوج بنانے میں مشغول ہیں''۔۱۶

سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو:

''قادیانی اتنے خطرناک ہیں، اس کا احساس مجھے ان دنوں میں ہوا ہے۔ میں نے کبھی سوچا نہ تھا کہ قادیانی مذہب کے لوگ اس قدر خوفناک ارادے رکھتے ہیں''۔۱۷

جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء کے ہیرو (ر) ائیر مارشل محمد اصغر خان:

''ہر صحیح العقیدہ مسلمان کی طرح میرا ایمان بھی ہے کہ قادیانی غیر مسلم اقلیت ہیں''۔۱۸

سابق صدر آزاد کشمیر سردار محمد عبدالقیوم خان:

''ہم آزاد کشمیر میں کوشش کر رہے ہیں کہ اس سرزمین کو قادیانیت کے فتنہ سے محفوظ رکھیں۔ وہاں انہوں نے بہت سازشیں کی ہیں۔ قادیانی پاکستان کی اہم شخصیتوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ کر چکے ہیں''۔۱۹

سابق ڈپٹی اٹارنی جنرل سید ریاض الحسن گیلانی:

''عقیدہ ختم نبوت پر ایمان نہ رکھنے کی سزا موت ہے اور اسلامی مملکت میں یہ سنگین ترین جرم ہے، اس لئے اس جرم کے مرتکب کو سزا دینے کے لئے صرف حکومت کی مشینری کے حرکت میں آنے کا انتظار کرنا ضروری نہیں بلکہ کوئی مسلمان بھی اس سلسلے میں قانون کو ہاتھ میں لے سکتا ہے کیونکہ یہی شریعت کا حکم ہے''۔۲۰

سابق وزیر اعظم غلام مصطفیٰ جتوئی:

''این پی پی ۱۹۷۳ء کے آئین کو قادیانیوں سے متعلق غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی ترمیم سمیت تسلیم کرتی ہے''۔۲۱

سابق وزیر اعلیٰ پنجاب غلام حیدر وائیں:

مسلم لیگ کے دستور کے مطابق قادیانی غیر مسلم ہونے کی وجہ سے مسلم لیگ کے باقاعدہ رکن نہیں بن سکتے۔ البتہ پاکستان کی دیگر اقلیتوں کے ورکر اس جماعت کے رکن اسی صورت میں بن سکتے ہیں بشرطیکہ مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد اور نظریاتی اساس سے متفق ہوں۔۲۲

مفتی محمد حسین نعیمی بانی جامعہ نعیمیہ لاہور:

''قادیانی اپنے عقائد و نظریات کے باعث مرتد ہیں۔ ایسا شخص جو اسلام کے بعد کافر ہو، مرتد ہوتا ہے، واجب القتل ہے''۔[۲۳]

سابق وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو:

''قادیانیوں کے بارے میں آئینی ترمیم ملک کی منتخب اسمبلی میں اتفاق رائے سے منظور ہوئی تھی، اس لئے وہ ترمیم درست ہے اور اسے ختم نہیں کیا جائے گا''۔[۲۴]

سابق وزیر اعظم محمد خان جونیجو مرحوم:

''ختم نبوت کے منکرین (مرزائیوں) کے خلاف پوری قوت سے کارروائی کرنے کی ضرورت ہے۔ توہین نبوت برداشت نہیں کی جائے گی۔ ختم نبوت کے منکرین اور نبوت کے جھوٹے دعویداروں کا خاتمہ کرنے کے لئے حکومت پاکستان نے کئی موثر کارروائیاں کی ہیں۔ اس سلسلہ میں اسلامی دنیا کو پاکستان سے تعاون کرنا چاہئے''۔[۲۵]

سابق وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف:

''حضور اکرم ﷺ کی شان میں کسی گستاخی پر کوئی بڑی سے بڑی سزا بھی کم ہے''۔[۲۶]

ملک محمد قاسم صدر پاکستان مسلم لیگ (قاسم گروپ)

''پاکستان مسلم لیگ ختم نبوت پر ایمان رکھتی ہے۔ اس کا ایمان ہے جو کوئی اس عقیدے پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں''۔[۲۷]

اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل پنجاب نذیر احمد غازی:

''یہ انتہائی ظلم کی بات ہے کہ قرآن مجید میں حضرت نبی آخر الزماں ﷺ پر نازل ہونے والی اکثر آیات مبارکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے چوری کر کے اپنے نام کے ساتھ منسوب کر

لی ہیں۔ اگر قادیانیوں کو ان کے مذہب کی تبلیغ کی اجازت دے دی جائے تو اس سے نہ صرف معاشرے میں ہیجان پیدا ہوگا بلکہ اخلاقیات بھی تباہ ہو جائیں گی''۔[۲۸]

حضرت مولانا خادم حسین رضوی (امیر تحریک فدایان ختم نبوت صوبہ پنجاب)

دنیا میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں جس سے قادیانیوں کو تشبیہ دی جائے یہ خنزیر سے بھی بدتر ہیں۔ قادیانی اسلام کے غدار اور انگلستان کے وفادار ہیں۔ یہودی، عیسائی، ہندو اور سکھ کافر جبکہ مرزائی، قادیانی نہ صرف کافر بلکہ مرتد اور زندیق ہیں۔ قادیانیوں سے میل جول اور تعلق ناطہ سب سے بڑی بے غیرتی ہے۔ قادیانیوں سے رشتہ کرنا حرام اور ان کی اولاد حرامی ہے۔[۲۹]

☆☆ حواشی ☆☆

(۱)۔ فوائد فریدیہ، ص ۱۳، مضمون خواجہ غلام فرید ''ضیائے حرم'' دسمبر ۱۹۷۴ء

(۲)۔ احکام شریعت، ص ۱۱۲، ۱۲۲، ۱۷۷۔ (۳) تذکرہ مجاہدین ختم نبوت۔

(۴)۔ ملفوظات طیبہ، ص ۱۲۶۔۱۲۷۔ (۵)۔ ماہنامہ ضیائے حرم، دسمبر ۱۹۷۴ء

(۶)۔ علامہ اقبال کا مکتوب پنڈت جواہر لعل نہرو کے نام، ۲۱ جون ۱۹۳۶ء

(۷)۔ ہفت روزہ ''لولاک'' دسمبر ۱۹۷۱ء۔ (۸) ارشادات نورانی، از ضیاء المصطفیٰ قصوری۔

(۹)۔ ہفت روزہ ''ختم نبوت'' مارچ ۱۹۷۴ء۔ (۱۰) ہفت روزہ ''رضوان'' ۱۹۵۲ء، ج ۵ شمارہ ۲۹

(۱۱)۔ ماہنامہ ''لا نبی بعدی'' لاہور مجاہدین ختم نبوت نمبر، نومبر ۲۰۰۳ء، ص ۲۰۲ سید عقیل انجم (کراچی)

(۱۲) ہفت روزہ ''لولاک'' جلد ۲۳، شمارہ ۲۸، مارچ ۱۹۸۸ء، (۱۳) ماہنامہ ضیائے حرم، دسمبر ۱۹۷۴

(۱۴) قادیانی امت، از محمد شفیع جوش۔ (۱۵) ماہنامہ ''صوت الاسلام'' ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۵ء

(۱۶) ہفت روزہ ''چٹان'' جلد ۳۹، شمارہ ۳۲۳، ۳۱۔ اگست ۱۹۸۶ء۔

(۱۷) مقالہ مولانا تاج محمود علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی ۱۹۹۱ء۔ از محمد ندیم

(۱۸) ہفت روزہ ''لیل و نہار'' ص ۶، ایڈیٹر مجیب الرحمٰن شامی، ۲۲ تا ۲۹ جون ۱۹۷۴ء

(۱۹) ہفت روزہ ''لولاک'' مارچ ۱۹۷۴ء۔ (۲۰) روزنامہ ''نوائے وقت'' کراچی، ۱۹ نومبر ۱۹۸۵ء

(۲۱) روزنامہ ''مشرق'' لاہور، ۱۰ ستمبر ۱۹۸۶ء۔ (۲۲) روزنامہ جنگ لاہور، ۸ نومبر ۱۹۸۶ء

(۲۳) روزنامہ جنگ لاہور ۱۹۸۶ء۔ (۲۴) روزنامہ جنگ، ۱۹۸۷ء

(۲۵) ریڈیو رپورٹ، ۲۷ نومبر ۱۹۸۵ء۔ (۲۶) روزنامہ نوائے وقت، ۲۰ مئی ۱۹۹۱ء

(۲۷) ہفت روزہ ''لیل و نہار'' ایڈیٹر مجیب الرحمٰن شامی، جولائی ۱۹۷۴ء۔

(۲۸) روزنامہ نوائے وقت، ۲۳ مئی ۱۹۹۱ء۔ (۲۹) مرزائیت، قادیانیت اور احمدیت کیا؟ ص ۱۵، مطبوعہ لاہور



حمد باری تعالیٰ جلّ شانہٗ

حمدِ ربّ انام کرتے ہیں
کوششِ نا تمام کرتے ہیں

تیرے در پہ جھکا کے سر اپنا
ہم طلب فیض عام کرتے ہیں

پڑھتے ہیں ہم ترے نبی پہ درود
عفو کا انتظام کرتے ہیں

ہم کو دے ذوقِ بندگی مولا
یہ دعا صبح و شام کرتے ہیں

جن کو توفیق تیرے در سے ملی
نفس کو وہ ہی رام کرتے ہیں

تیرے جلووں سے آشنا جو ہیں
خود پہ نیندیں حرام کرتے ہیں

تیری قدرت کے ہی کرشمے ہیں
گل کو جو لالہ فام کرتے ہیں

تیرے انوار ہی تو غنچوں کو
مائل ابتسام کرتے ہیں

قطرے پانی کے تیری مرضی سے
اس کو محو خرام کرتے ہیں

تیرے ارشاد کن کے نظارے
آب و گِل کو نظام کرتے ہیں

جتنے بھی انقلاب آتے ہیں
لفظِ کُن کو امام کرتے ہیں

واہ صنّاعی بند مُٹھی میں
سنگریزے کلام کرتے ہیں

تیری رحمت سے رحمت عالم
تیری رحمت کو عام کرتے ہیں

اے سعیدؔی ہوئی ہے حمد کہاں
ہم تو بس یونہی نام کرتے ہیں

آخری آخری

پیکرِ رہبری آخری آخری
جانِ پیغمبری آخری آخری

فخر جن و بشر نازِ حور و ملک
رشک حور و پری آخری آخری

تیری تخلیق تو ہوئی پہلے پہل
اور جلوہ گری آخری آخری

اپنا محبوب ہمکو عطا کردیا
یہ کرم گستری آخری آخری

نور اول کی جلوہ نمائی ہوئی
صورتِ بشری آخری آخری

ہے کتاب ہدایت خدا کا کلام
آخری آخری آخری آخری

ان کے ہم ہو کے خیر الامم بن گئے
پا گئے برتری آخری آخری

مان جاؤ اگر پاؤ جنت نگر
ہے یہی بہتری آخری آخری

"آخری" جو نہ مانے وہ ہے دوزخی
بات ہے یہ کھری آخری آخری

ہو سعیدؔی کا بھی خاتمہ بالایمان
دور ہو کمتری آخری آخری

السلام

السلام اے وارث تخت نبوت السلام

السلام اے مالک تاج رسالت السلام

السلام اے اول و آخر امامت السلام

السلام اے ظاہر و باطن قیادت السلام

السلام اے قاسمِ فیض ولایت السلام

السلام اے شاہد جملہ عبادت السلام

السلام اے پیکر لطف و عنائت السلام

السلام اے باعث رشدو ہدایت السلام

السلام اے کعبۂ اہل عقیدت السلام

السلام اے قبلۂ اہل محبت السلام

السلام اے مرجع اہل مودت السلام

السلام اے مرکز اہل مروت السلام

السلام اے دین و دنیا کی ضرورت السلام

السلام اے برزخ و محشر کی حاجت السلام

السلام اے مرتجائے آدمیت السلام

السلام اے مجھ سعدیؔ کی شفاعت السلام

سلام

قائدینِ حرکت ختم نبوت کو سلام

سب شہیدوں ، غازیوں ، اہل اسارت کو سلام

سب سے پہلے فاتح جنگ یمامہ کو خراج

حضرت صدیق اکبر کی صداقت کو سلام

بعد ازاں نواب الدین ستکوہی رمداسی کو داد

جس نے کی تائید اُن کی اس عدالت کو سلام

جسٹس اکبر کی حمیت اور غیرت کو سلام

اور بہاول پور کی ہو سنی ریاست کو سلام

دس کتابیں جس نے لکھیں مرزے کی تردید میں

اس امام اہلسنت اعلحضرت کو سلام

جس نے مرزے کو کہا ''غدارِ ملک و قوم ہے''

شاعر مشرق حکیم پاک امت کو سلام

بن کے ذوالفقار جو غارت گرِ فتنہ ہوئی

سن چوہتر عیسوی کی اُس قیادت کو سلام

الغرض ہر ایک چھوٹے اور بڑے کردار کو

پیش کرتا ہے سعدیؔ اہل حرکت کو سلام

ترانہ ختم نبوت

ہے ہر اک اہلسنت پاسباں ختم نبوت کا
مجاہد ہے ہر اک پیرو جواں ختم نبوت کا

وہ جس کے علم نے میدان سے دوڑایا "مرزے" کو
ہے شاہ گولڑہ کوہ گراں ختم نبوت کا

دعا جس کی گری تھی برق بن کر جان مرزا پر
خدا کا شیر وہ برق تپاں ختم نبوت کا

ترپن (53) میں چلی تحریک جب ختم نبوت کی
تھا بوالحسنات "میر کارواں" ختم نبوت کا

چوہتر (74) میں چلی تحریک جب قومی اسمبلی میں
مرا قائد تھا میرِ کارواں ختم نبوت کا

وہ پیکر جاہ و حشمت وہ نیازی میداں کا
تھا اپنی ذات میں وہ کارواں ختم نبوت کا

مجاہد بے ریا جس نے بنا ڈالی "فدایان" کی
وہ صوفی با صفا ایاز خان ختم نبوت کا

مقام مصطفیٰ ﷺ کی عظمتوں کے منکرو سن لو
تمہارا کام ہے سب رائیگاں ختم نبوت کا

فدائی مصطفیٰ ﷺ کا اور نظام مصطفیٰ ﷺ کا ہو
وہی سچا فدائی ہوگا ہاں ختم نبوت کا

ہمارا واعظان خوش نوا کو مشورہ ہے کہ
ہو کم سے کم ماہانہ اک بیاں ختم نبوت کا

الٰہی اپنی رحمت سے شہیدوں کے وسیلے سے
سعیدی کو بنا دے نغمہ خواں ختم نبوت کا

منقبت

حضرت شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

رب کعبہ کی عطا ہیں حضرت عبد العلیم
فیض یاب مصطفیٰ ہیں حضرت عبد العلیم

نائب غوث الوریٰ ہیں حضرت احمد رضا
نائب احمد رضا ہیں حضرت عبد العلیم

حضرت صدیق کی اولادِ پاکِ با صفا
خانہ زادِ با وفا ہیں حضرت عبد العلیم

ہیں فداکارِ گروہِ اہل بیت و صاحباں
جاں نثار اولیاء ہیں حضرت عبد العلیم

قائداعظم ہیں پیچھے عید گاہ میں مقتدی
اور آگے مقتدا ہیں حضرت عبد العلیم

وہ بلند رتبہ ولی ہیں میں سعیدی ہیچ فکر
کیا بھلا بتلاؤں کیا ہیں حضرت عبد العلیم



منقبت

خطیب ختم نبوت حضرت علامہ شبیر احمد ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ

تو ہے کتابِ حسن کی تنویر ہاشمی
اور ہے نصابِ عشق کی تفسیر ہاشمی

حرفوں میں تیرے جذبۂ صدق و صفا رہا
لفظوں میں تیرے خوب تھی تاثیر ہاشمی

تو مصطفیٰ کے دیں کا سپاہی بنا رہا
تھامے قلم کی ہاتھ میں شمشیر ہاشمی

تجھ بن فضائے دین و سیاست ہے سوگوار
سُنّی تیرے بغیر ہیں دلگیر ہاشمی

پیارے نبی کی تو ہے شفاعت سے ہم کنار
اور رحمت خدا سے بغل گیر ہاشمی

تو تھا خطیب ختم نبوت بلاشبہ
اور تھا ادیب صاحب تدبیر ہاشمی

تیرا قلم چلا تو نبی کے لیے چلا
تھی مصطفیٰ کے واسطے تقریر ہاشمی

گزری تیری حیات ہے قائد کے ہم قدم
کتنی عظیم پائی ہے تقدیر ہاشمی

یہ منقبت ہوئی ہے سعیدؔ سے فی البدیہہ
کیجئے قبول حضرتِ شبیر ہاشمی

مرزائے قادیان لعنت اللہ علیہ

اللہ کی لعنت کا سزاوار ہے مرزا
اور نار جہنم کا بھی حق دار ہے مرزا

لاریب تو مستوجب پھٹکار ہے مرزا
اللہ کی تجھے شام و سحر مار ہے مرزا

کیا کہیے کہ کس درجہ بد اطوار ہے مرزا
ابلیس کے اطوار کا اظہار ہے مرزا

لعنت میں شب و روز گرفتار ہے مرزا
انبار لگا ہے تہ انبار ہے مرزا

اسلام کے افکار کا غدار ہے مرزا
تہذیب فرنگی کا مددگار ہے مرزا

اللہ سے جو برسر پیکار ہے مرزا
شیطان کا چیلہ ہے طرفدار ہے مرزا

شیطان کا شاگرد وفادار ہے مرزا
شیطان ہے قاسم تو طلب گار ہے مرزا

ہر قلب مسلماں میں جو چبھتا ہے مسلسل
اسلام کے گلزار میں وہ خار ہے مرزا

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا
پاخانے میں مر کر ہوا فی النار ہے مرزا

مصنف کا مختصر تعارف

از میاں محمد سلیم حمّاد ہجویری قادری

سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

محمد صلاح الدین سعیدی ابنِ نظام الدین مرحوم ابنِ شرف الدین مرحوم ۱۲ شعبان ۱۳۸۵ھ بمطابق دسمبر ۱۹۶۵ء کو الفلاح پارک سبزہ زار سکیم لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم فیڈرل گورنمنٹ سکول نمبر 1 کینٹ لاہور سے حاصل کی۔ ۱۹۷۹ء سے ۱۹۹۵ء تک کراچی میں رہائش پذیر رہے۔ کراچی میں ریڈی میڈ گارمنٹس انڈسٹری سے وابستہ رہے۔ کراچی میں سکونت کے ابتدائی دور میں مولانا محمد الیاس قادری بانی دعوتِ اسلامی کی صحبت نصیب ہوئی اور ان سے نعتیہ شاعری میں اصلاح لی۔

۱۹۸۵ء میں جمعیتِ علماء پاکستان سے وابطہ ہو کر امام شاہ احمد نورانی کی قیادت میں نظامِ مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے جدوجہد کی۔ 'ہفت روزہ احوال کراچی' سے صحافتی کیریر کا آغاز کیا۔ ۹۲ء سے ۹۵ء تک ماہرِ رضویات پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کی علمی صحبت اختیار کی ان کی ترغیب کے زیرِ اثر تصنیف و تالیف کے میدان میں قدم رکھا۔

۱۹۹۵ء کو سعیدی صاحب نے واپس لاہور میں سکونت اختیار کر لی۔ پیر زادہ علامہ اقبال احمد فاروقی کی صحبت و سنگت میں وقت گزارا اور فاروقی صاحب کے علمی کاموں میں معاونت کی۔ ۲۰۰۶ء میں فاروقی صاحب کے تحریری شہ پارے "باتوں سے خوشبو آئے" کے نام سے کتاب مرتب کی جسے مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ نے شائع کیا۔ کتاب کو بہت پسند کیا گیا اور پذیرائی ملی۔ ہجویری فاؤنڈیشن کے بانی و چیئر مین راقم میاں سلیم حمّاد ہجویری کے زیرِ انتظام اس کتاب کی تقریب رونمائی زیرِ سایہ مزارِ

گنج بخش جامعہ ہجویریہ میں منعقد کی گئی۔

مختلف مواقع پر علمائے اہل سنت کی کتابوں کو شائع کر کے مفت تقسیم کیا۔

۱۔ "السیف الربانی" از علامہ محمد مکی بن عزوز رحمہ اللہ (۲۰۰۰ء)۔

۲۔ "امام احمد رضا کی عالمی اہمیت، از ڈاکٹر محمد ہارون (۲۰۰۰ء/۲۰۰۲ء) دو ایڈیشن۔

۳۔ "حدیثِ استشارہ" از مولانا احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ (۲۰۰۲ء)۔

۴۔ "حجیتِ حدیث" از مولانا احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ (۲۰۰۴ء)۔

موجودہ صحافتی مصروفیات

ماہنامہ "انوارِ لاثانی" لاہور۔ ماہنامہ 'لا نبی بعدی' لاہور۔ ماہنامہ "نور العرفان" میں بطورِ نائب مدیر ذمہ داری نباہ رہے ہیں۔ ماہنامہ "النعیمیہ" لاہور اور ماہنامہ "جہانِ رضا" لاہور میں معاون مدیر ہیں۔ ملکی اخبارات و رسائل میں آپ کے مختلف موضوعات پر مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔

سعیدی کا نمونۂ کلام

جس جگہ اہلِ محبت نے پکارا دل سے
ترے جلووں نے وہیں انجمن آرائی کی
وقف توصیفِ پیمبر ہے سعیدی کا قلم
اس لئے اہل محبت نے پذیرائی کی



بخشی ہے ہمیں دولتِ ایماں حضور نے
دکھلا دیا ہے جادۂ عرفاں حضور نے
فکر و نظر کے زاویے تبدیل کر دیئے
عقل و شعور پر کیے احساں حضور نے
دربارِ کردگار میں امت کے واسطے
پھیلا رکھا ہے آج بھی داماں حضور نے

☆

اے خلعۂ جلال کی تخلیق کے جمال
دنیا ہے اک افسانہ تو مرکزی خیال
تاریخ کروٹیں لے تہذیب رنگ بدلے
امکاں ہی نہیں ہے لائیں تری مثال

☆

دنیا بنی ہے شاہِ مدینہ ترے لئے
ہو گا جہانِ حشر بھی برپا ترے لئے
اے یوسفِ مدینہ تری شان کیا کہوں
عالم بنا ہوا ہے زلیخا ترے لئے
تیرے لیے ہی بلبلِ شیراز کی چہک
طوطیِ اصفہان کا نغمہ تیرے لیے
کیسے ترا مقام سعیدی کرے بیان
ظاہر ہوا خدا کا بھی جلوہ تیرے لیے

فہرست کتب سعیدی

1۔ باتوں سے خوشبو آئے جون ۲۰۰۶ء ناشر مکتبہ نبویہ۔
2۔ نظام مصطفیٰ میں جہیز کا تصور اگست ۲۰۰۶ء ناشر ادارہ محمدیہ لاہور۔
3۔ جنوبی پنجاب میں فکر رضا کے اوّلین ترجمان ستمبر 2006ء ادارہ محمدیہ لاہور
4۔ رشوت کی مذمت اکتوبر 2006ء ادارہ محمدیہ لاہور۔
5۔ بچوں کیلئے بنیادی اسلامی معلومات دسمبر 2006ء ناشر اسلامیہ سعیدیہ لائبریری مصطفیٰ آباد (پرانا دھرم پورہ) لاہور۔
6۔ بزرگان دین کا نعتیہ کلام حصہ اوّل مارچ 2007ء مدنی بک سنٹر 40 اُردو بازار لاہور۔
7۔ بزرگان دین کا نعتیہ کلام حصہ دوم جولائی 2007ء صراط مستقیم پبلی کیشنز لاہور۔
8۔ بزرگان دین کا نعتیہ کلام حصہ سوئم فروری 2008ء قادری رضوی کتب خانہ لاہور۔
9۔ رسائل میلاد النبی ﷺ فروری 2008ء قادری رضوی کتب خانہ لاہور۔
10۔ انتخاب حدائق بخشش 2004ء
11۔ انتخاب حدائق بخشش (اضافہ شدہ) 2005ء قادری رضوی کتب خانہ لاہور۔
12۔ رسائل میلاد الرسول ﷺ فروری 2009ء قادری رضوی کتب خانہ لاہور۔
13۔ رسائل میلاد حبیب ﷺ جنوری 2010ء قادری رضوی کتب خانہ لاہور۔
14۔ رسائل میلاد محبوب ﷺ اکتوبر 2010ء مکتبہ فیضان ختم نبوت سیالکوٹ
15۔ تاریخ و تحقیق بیباں پاک دامن 2006ء لاہور
16۔ شخصیات اسلام جون 2010ء ادارہ نوید سحر، لاہور
17۔ نعت سعیدی (حصہ اوّل) 1986ء کراچی
18۔ نعت سعیدی (حصہ دوم) 1998ء لاہور

19۔نعت سعیدی (حصہ سوم) 2002ء لاہور

20۔رسائل میلاد محمدی 2011ء

21۔محفل میلاد برائے خواتین 2009ء اویسی بکسٹال گوجرانوالہ

22۔سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے تاریخ ساز فیصلے، 2012 مقصود پبلشرز لاہور

23۔سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تاریخ ساز فیصلے، 2012 مقصود پبلشرز لاہور

24۔سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے تاریخ ساز فیصلے، 2012 مقصود پبلشرز لاہور

25۔سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے تاریخ ساز فیصلے، 2012 مقصود پبلشرز لاہور

26۔جشن میلاد النبی 1992 کراچی

27۔جشن میلاد النبی 1996ء فیصل آباد

28۔ جشن میلاد النبی رحیم یار خان

29۔معراج النبی 1997 ڈیرہ غازی خان

30۔رسائل میلاد حضور ﷺ

31۔تجلیات ختم نبوت

32۔نظام مصطفی میں جہیز کا تصور 2008ء

مختلف رسالوں کے خصوصی شمارے

1۔2003ء صدر الافاضل نمبر ماہنامہ النعیمیہ، لاہور

2۔2003ء مجاہدین ختم نبوت نمبر ماہنامہ لا نبی بعدی لاہور

3۔2004ء شاہ احمد نورانی نمبر لا نبی بعدی لاہور

4۔2004ء میلاد مصطفی نمبر ماہنامہ انوار لاثانی، لاہور

صلاح الدین سعیدی کے قلم سے نکلے ہوئے

دیباچے.........مقدمے.........تاثرات

1۔مولانا محمد صالح نقشبندی کی کتاب تحفہ حنفیہ، قادری رضوی کتب خانہ لاہور۔

2۔ڈاکٹر اشرف آصف جلالی کی محاسن اخلاق، صراط مستقیم پبلی کیشنز لاہور۔

3۔مفتی جلال الدین امجدی کی خلفائے راشدین روحانی پبلشرز لاہور۔

4۔مفتی جلال الدین امجدی کی تعلیم اسلام مکتبہ کریمیہ قذافی چوک ملتان۔

5۔مولانا غلام قادر اشرفی اور رشید احمد نوری کی محمدی نماز، اویسی بک سٹال گوجرانوالہ۔

6۔غزالہ سعید کی امام احمد رضا کے تعلیمی نظریات کا تحقیقی جائزہ، اویسی بکسٹال گوجرانوالہ

7۔امام احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کی الحق المبین، اویسی بک سٹال گوجرانوالہ۔

8۔ڈاکٹر اشرف آصف جلالی کے بیانات میلاد، صراط مستقیم پبلی کیشنز لاہور۔

9۔مفتی بشیر احمد نقشبندی کی فقہ اسلامی، ادارہ تعلیمات قرآن گھوڑے شاہ لاہور

10۔نعیم طاہر رضوی کی تفہیم ختم نبوت، کنز الایمان سوسائٹی لاہور۔

11۔حضرت فرید الدین عطار کی پند نامہ، روحانی پبلشرز لاہور۔

12۔مفتی خلیل احمد سلطانی کی صلوٰۃ وسلام، مکتبہ سلطانیہ جام پور۔

13۔مفتی غلام رسول فیضی کی فضائل ومسائل نماز جنازہ، مکتبہ المفتاح ڈیرہ غازی خان۔

14۔پیر سید ظفر علی شاہ کی فضیلت حضرت سیدہ فاطمہ، مدرسہ غوثیہ مہریہ لودھراں۔

15۔مفتی اکرام الدین کی سعادت الکونین فی ذکر حسنین، قادری رضوی کتب خانہ لاہور

16۔حافظ امانت علی سعیدی کی گلشن ابراہیمی، ادارہ نوید سحر لاہور

17۔حافظ امانت علی سعیدی کی حیات غزالی زماں، ادارہ نوید سحر لاہور

18۔سعید بدر قادری کی دل دل مدینہ، مقبول اکیڈمی لاہور

19- صاحبزادہ میاں محمد صدیق کی "تذکرہ خانوادہ حضرت شیخ ہندی

20- مفتی خلیل احمد سلطانی کی اولاد کے حقوق، ہجویری بکسٹال لاہور

21- اختر محمود کی علم غیب عطائی، ادارہ تحقیقات اہلسنت کبیر والا ضلع خانیوال

22- علامہ اللہ بخش نیر کی فاتح کربلا، قادری رضوی کتب خانہ

23- علامہ اللہ بخش نیر کی مقالات نیر، مکتبہ کریمیہ ملتان

24- ڈاکٹر اشرف آصف جلالی کی عید میلاد النبی کی دھوم، صراط مستقیم پبلیکیشنز لاہور

25- مولانا رکن الدین الوری کی رکن دین، احمد جاوید فاروقی پبلشر لاہور

26- ڈاکٹر اشرف آصف جلالی کی فہم دین (جلد دوم)، صراط مستقیم پبلیکیشنز لاہور

27- مولانا محمد تنویر قادری کی میلاد مصطفیٰ بزبان مصطفیٰ، میلاد پبلشرز لاہور

28- مولانا محمد یاسین قصوری کی خانوادہ حضرت ایشاں، ادارہ تعلیمات نقش بندیہ لاہور

29- پیر کبیر علی شاہ کی ردائے کبیر

30- عبدالحق ظفر چشتی کی انوار قاسم، آستانہ عالیہ ڈھوڈا شریف

31- علامہ غلام مرتضٰی ساقی کی خطبات رمضان، اویسی بکسٹال گوجرانوالہ

32- حافظ امانت علی سعیدی کی گلشن کاظمی، ہجویری بکسٹال لاہور

33- علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی کی جنتی زیور، ہجویری بکسٹال لاہور

34- مولانا عبدالاحد قادری کی رسائل میلاد رسول عربی، مکتبہ حنفیہ لاہور

35- مولانا غلام مرتضیٰ ساقی کی آؤ میلاد منائیں، اویسی بکسٹال گوجرانوالہ

36- ڈاکٹر مظہر الحق اور مفتی جلال الدین امجدی کی نداء الحق، اویسی بکسٹال گوجرانوالہ

37- سید فیض عباس بخاری کی احکام الجنائز، مکتبہ احیائے اسلام ملتان

38- سید فیض عباس بخاری کی مقالات بخاری، مکتبہ احیائے اسلام ملتان

بزرگانِ دین اور علماء و مشائخ کی قدیم و جدید

کتب و رسائل کا خوبصورت مجموعہ

رسائلِ

میلادِ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صلاح الدین سعیدی

یادگار اسلاف

برادرم صلاح الدین سعیدی کی شخصیت یادگار اسلاف ہے۔ آپ جیسے مخلص ہمہ تن لوگ اس دور میں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی بمشکل ملتے ہیں۔ خالی ہاتھ ،تہی دامن، ظاہری اسباب کی کوئی پروا نہیں، اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کا نام لے کر کسی بھی پراجیکٹ پر کام کرنا شروع کرتے ہیں تو آناً فاناً منزل تک پہنچ جاتے ہیں۔ آپ کی کئی کتب شائع ہو کر آپ کو "امر" کر چکی ہیں۔

میلادالنبی ﷺ کے حوالے سے تو آپ نے باقاعدہ سلسلہ وار کتب کی اشاعت کا کام جاری رکھا ہے۔ اور اس سلسلہ میں اب تک 7 کتب آپ انتہائی قلیل عرصہ میں مرتب فرما کر داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

گزشتہ دنوں میں لاہور میں، سر راہ دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ پر آپ سے ملاقات ہو گئی تو آپ نے یہ خوش کن مژدہ سنایا کہ آپ "تجلیات ختم نبوت" مرتب فرما چکے ہیں جو کہ اشاعت کے مراحل طے کر رہی ہے۔ یہ خبر سن کر مجھے دلی خوشی ہوئی۔ اگرچہ مذکورہ کتاب تو تاحال ملاحظہ نہ کر سکا ہوں لیکن عقیدہ ختم نبوت کے حوالے سے آپ کے مقالات و مضامین دینی صحافت کی زینت بنتے رہتے ہیں جو کہ بہت علمی اور تحقیقی ہوتے ہیں۔ میرا وجدان کہتا ہے کہ آپ کی مرتب شدہ کتاب "تجلیات ختم نبوت" بھی علم و تحقیق کا اعلیٰ نمونہ ہو گی۔ اور عقیدہ ختم نبوت اور رد قادیانیت کے موضوع پر کام کرنے والے طالب علموں کو نئی راہ دکھائے گی۔ میری دعا ہے کہ جلد از جلد یہ کتاب منزل طباعت و اشاعت طے کر کے منزل شوق کے مسافروں کی شادکامی کا باعث بنے۔ آمین

صادق علی زاہد

ختم نبوت ریسرچ سنٹر۔ ننکانہ صاحب

0300-4529446

sazahid/_2010@yahoo.com







